”قادیانی امت مسلمہ کا حصہ نہیں ہیں۔اس بات کوخود ان کا اپنا طرزعمل خوب واضح کرتا ہے۔ان کے نزدیک تمام مسلمان کافر ہیں۔وہ ایک الگ امت ہیں۔یہ متناقض ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کی جگہ لے لی ہے اور مسلمانوں کواس امت سے خارج قرار دیا ہے۔مسلمان انہیں امت مسلمہ سے خارج قرار دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کواس امت سے خارج سمجھتے ہیں۔ظاہر ہے کہ دونوں ایک ہی امت میں سے نہیں ہو سکتے۔یہ سوال کہ امت مسلمہ کے افراد کون ہیں؟ برطانوی ہندوستان میں کسی ادارے کے موجود نہ ہونے کی بنا پر حل نہ ہوسکا لیکن اسلامی ریاست میں اس موضوع کو طے کرنے کے لیے ادارے موجود ہیں اوراس لیے اب کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد

26 اپریل 1984ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے آرڈیننس نمبر 20 موسومہ امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری کیا' جس کے تحت مرزائیوں کے ہردو گروپ لاہوری و قادیانی کو ان کی خلافِ اسلام سرگرمیوں سے روک دیا گیا۔ آرڈیننس کے ذریعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 بی اور سی کا اضافہ کیا گیا جس کے تحت:

1۔ یہ آرڈیننس قادیانی و لاہوری گروپ اور احمدیوں کی خلاف اسلام سرگرمیاں (امتناع و تعزیر) آرڈیننس 1984ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

2۔ یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

3۔ اس آرڈیننس کے احکام کسی عدالت کے کسی حکم یا فیصلے کے باوجود موثر ہوں گے۔

4۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان ایکٹ نمبر 45 ,1860 میں باب 15 میں دفعہ 298 الف کے بعد نئی دفعات بی اور سی کا اضافہ ہوا۔

298 ب = بعض مقدس شخصیات یا مقامات کے لیے مخصوص القاب یا خطابات وغیرہ کا ناجائز استعمال

i۔ قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو 'احمدی' یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص جو الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعہ

(الف) حضرت محمد ﷺ کے خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی شخص کو امیر المومنین' خلیفۃ المومنین' خلیفۃ المسلمین' صحابی یا رضی اللہ عنہ کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے۔

(ب) حضرت محمد ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ کے علاوہ کسی ذات کو ام المومنین کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے۔

(ج) حضرت محمد ﷺ کے خاندان (اہلِ بیت) کے کسی فرد کے علاوہ کسی شخص کو اہل بیت کے طور پر منسوب کرے یا موسوم کرے یا پکارے۔

تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانہ کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔

ii۔ قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص جو الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے اپنے مذہب میں عبادت کے لیے بلانے کے طریقے یا صورت کو اذان کے طور پر منسوب کرے یا اس طرح اذان دے' جس طرح کہ مسلمان دیتے ہیں تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانہ کی سزا کا مستوجب بھی ہوگا۔

298 ج = قادیانی گروپ وغیرہ کا شخص جو خود کو مسلمان کہے یا اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے۔

قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص جو بلاواسطہ یا بالواسطہ خود کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے مذہب کو اسلام کے طور پر موسوم کرے یا منسوب کرے یا الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے یا دوسروں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے یا کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو مجروح کرے۔ کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی' جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانہ کی سزا کا بھی مستوجب ہو گا۔

اس آرڈیننس کے تحت پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس 1963ء کی دفعہ 24 میں بھی ترمیم کر دی گئی ہے' جس کی رو سے صوبائی حکومتوں کو یہ اختیار مل گیا ہے کہ وہ ایسے پریس کو بند کر دے جو تعزیرات پاکستان کی اس نئی اضافہ شدہ دفعہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی کتاب یا اخبار چھاپتا ہے' اس اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کر دے جو متذکرہ دفعہ کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ہر اس کتاب یا اخبار پر قبضہ کرے جس کی چھپائی یا اشاعت پر اس دفعہ کی رُو سے پابندی ہے۔

اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد

1۔ قادیانی گروپ کا لیڈر مرزا طاہر' ملک عزیز پاکستان سے مجرمانہ فرار اختیار کر کے یکم مئی 1981ء کو انگلستان چلا گیا' جو تادم تحریر وہاں پر ہے اور تادم زندگی وہاں پر رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

2۔ قادیانی جماعت کے سالانہ جلسہ پر (جسے وہ نعوذ باللہ ظلی حج کا درجہ دیتے ہیں) پابندی لگ گئی۔

3۔ قادیانیوں کے اخبار الفضل پر پابندی لگ گئی۔

قادیانیوں اور لاہوری مرزائیوں نے فوری طور پر اس آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر دیا کہ یہ آرڈیننس قرآن و سنت کے منافی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے پانچ رکنی بنچ نے اس کیس کی سماعت کی۔ بنچ جسٹس آفتاب احمد' جسٹس فخر عالم' جسٹس چودھری محمد صدیق' جسٹس مولانا ملک غلام علی' جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی پر مشتمل تھا۔

قادیانیوں کی طرف سے مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کی طرف سے کیپٹن ریٹائرڈ عبدالواجد لاہوری مرزائی پیش ہوئے' جب کہ مدعا علیہ حکومت پاکستان کی طرف سے حاجی شیخ غیاث محمد ایڈووکیٹ' جناب ایم۔ بی زمان ایڈووکیٹ اور سید ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ نے پیروی کی۔

15 جولائی 1984ء سے 12 اگست 1984ء (سوائے چھٹیوں) کے سماعت جاری رہی۔

کیس کی سماعت کے سلسلہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم کے حکم پر مفکر اسلام حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (جو ان دنوں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ تھے) نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

- عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی لائبریری ملتان سے بیسیوں بکسوں پر مشتمل ضروری کتب و رسائل و ریکارڈ لاہور منگوا لیا۔

- ❑ کراچی سے عالم اسلام کے معروف سکالر اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم نشریات (ان دنوں) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور ملتان سے مناظر اسلام اور عالمی مجلس کے ناظم تبلیغ (ان دنوں) حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر اور ربوہ سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ حضرت مولانا اللہ وسایا کو لاہور طلب کر لیا۔ لاہور میں ان حضرات کی معاونت کے لیے مولانا کریم بخش علی پوری جو ان دنوں لاہور مجلس کے مبلغ تھے' کی ڈیوٹی لگائی گئی۔
- ❑ ایک فوٹوسٹیٹ مشین کرایہ پر حاصل کر لی گئی۔
- ❑ جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن اشرفی اور مولانا عبیداللہ صاحب مہتمم جامعہ نے جامعہ کی لائبریری ان حضرات کے لیے کھول دی۔
- ❑ تقریباً مہینہ بھر میں اکیس دن سماعت ہوئی۔
- ❑ عدالت نے مولانا صدرالدین الرفاعی' پرفیسر محمود احمد غازی' علامہ تاج الدین حیدری' پروفیسر محمد اشرف' علامہ مرزا محمد یوسف' پروفیسر مولانا طاہر القادری اور قاضی مجیب الرحمٰن کو اپنی معاونت کے لیے بلایا جن کے تفصیلی بیانات ہوئے۔ مفکرِ اسلام مولانا علامہ خالد محمود نے مناظرِ اسلام منظور احمد چنیوٹی کی معاونت سے ایک تحریری بیان مرتب کیا جو عدالت میں پڑھا تو نہ جا سکا' البتہ عدالت میں جمع کرا دیا گیا۔ (بعد میں اسے جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ترجمان الرشید میں ''قادیانیوں کی قانونی حیثیت'' کے نام سے مستقل اشاعت میں شائع بھی کر دیا گیا)
- ❑ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم حضرت سید انور حسین نفیس رقم دامت برکاتہم کی سربراہی میں لاہور کے علماء عدالت میں ہر روز تشریف لاتے رہے۔
- ❑ عدالت میں اتنا رش ہوتا کہ عدالت کا وسیع و عریض ہال اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ناکافی ہو جاتا۔ آخر میں عدالت کو پاس جاری کرنے پڑے۔
- ❑ ہر روز کی کارروائی کے بعد شام کو مولانا محمد شریف جالندھری' مولانا محمد یوسف لدھیانوی' مولانا عبدالرحیم اشعر کے ساتھ مسلمان وکلاء کی جامعہ اشرفیہ فیروز پور لاہور کی لائبریری میں گھنٹوں ملاقات ہوتی۔ متعلقہ امور پر مشاورت' حوالہ جات کی تلاش ہوتی۔ ان کے فوٹو سٹیٹ حاصل کیے جاتے' بیانات لکھے جاتے' قادیانی وساوس و دجل وفریب کے جواب تیار کیے جاتے اور یوں حق تعالیٰ کی طرف سے عنایت کردہ توفیق وکرم سے مہینہ بھر یہ محنت جاری رہی۔
- ❑ جب مسلمان وکلاء کے بیانات و بحث شروع ہوئی تو عدالت کے سامنے وکلاء کے ساتھ پہلی لائن میں وسیع و عریض دو میز رکھے' جن پر اسلامی اور قادیانی کتب کا ذخیرہ سلیقہ سے رکھا جاتا۔ وکلاء کو پہلے سے تیار شدہ حوالہ جات و کتب دینے کی ذمہ داری مناظر اسلام مولانا عبدالرحیم اشعر اور مولانا اللہ وسایا نے نبھائی۔

- قادیانی وکلاء جب پیش ہوتے اور لایعنی تاویلیں کرتے تو مسلمانوں میں اشتعال اور قادیانی حاضرین پر اوس پڑ جاتی۔
- جب مسلمان وکلاء نے اپنے دلائل و براہین کے انبار لگائے تو مسلمانوں کے چہرے ہشاش بشاش اور قادیانیوں پر شرمندگی کے آثار قابلِ دید ہوتے۔
- مسلمان وکلاء کے دلائل سے متاثر ہو کر کچھ قادیانیوں نے حضرت مولانا عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ (اخبارات میں خبریں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)

قومی پریس نے ہر روز کی کارروائی شہ سرخیوں سے شائع کی' جس سے اندرون و بیرون ملک تمام مسلمانوں کی نگاہیں اس کیس کی طرف لگ گئیں۔

اللہ رب العزت کی رحمت و کرم اور رحمت عالم ﷺ کی توجہاتِ عالیہ امت مسلمہ کے لیے واحد سہارا تھیں۔ قادیانی اپنے طور پر اندرون و بیرون ملک سے دباؤ بڑھا رہے تھے۔ ملک کی تمام بے دین لابیاں اسے اپنے لیے موت و حیات کا مسئلہ بنائے کھڑی تھیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم ایک مارشل لاء کے ذریعہ برسر اقتدار آئے تھے۔ ان کی آمریت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لیے بعض جمہوری بچوں اور سیکولر جماعتوں کے بعض کارکنوں کو قادیانیوں نے خوب خوب استعمال کیا۔

غرضیکہ کفر اور اسلام کا معرکہ تھا' حق و باطل کی جنگ تھی' مسلمان اور قادیانی آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ قادیانی اپنے طور پر خوش تھے کہ جسٹس آفتاب پہلے ڈیرہ غازی خان کی ایک مسجد کے کیس میں قادیانیوں کے حق میں فیصلہ دے چکا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اپنے زمانہ میں یہودیوں کی ایک تنظیم فری میسن پر پابندی لگا دی تھی۔ یہودیوں اور ان کے آلہ کاروں نے لاہور ہائیکورٹ میں اس پابندی کو چیلنج کیا تو اسی جسٹس آفتاب نے یہودی تنظیم سے پابندی ختم کر دی تھی۔ ایسے ڈھب کے جج صاحب' کے قادیانی نواز ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔

آخر حق تعالیٰ کی شانِ کریمی کا اظہار ہوا۔ رحمت عالم ﷺ کی دعائیں امت کے کام آ گئیں اور 12 جولائی 1984ء کو اس جسٹس آفتاب صاحب کے قلم سے قادیانیوں کی اپیلیں خارج کر دی گئیں۔ قادیانیوں کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور امت مسلمہ کو ایک بار پھر قادیانیت پر فتح حاصل ہو گئی۔ 12 جولائی کو پہلے وقت جب بحث سمیٹی گئی تو تمام حاضرین ہال کے باہر آ گئے۔ جج صاحبان فیصلہ لکھنے کے لیے عدالت سے ملحقہ ریٹائرنگ روم میں چلے گئے۔ عدالت کے لان میں ایک پیپل کے درخت کے زیر سایہ علماء و مشائخ جمع تھے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم اور قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز سید حضرت انور حسین نفیس رقم دامت برکاتہم نے زمین پر بیٹھتے ہی سر جھکائے اور مراقبہ میں چلے گئے۔ اس منظر کی آسان تعبیر یہ ہو گی کہ عدالت کے اندر جج صاحبان فیصلہ کے لیے قلم تول رہے تھے اور عدالت سے باہر یہ بزرگ اپنے رب کی رحمتوں کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اللہ رب العزت کا کرم و فضل ہوا کہ جسٹس آفتاب نے دو صفحاتی اجمالی فیصلہ لکھا۔

باقی تمام جج صاحبان نے دستخط کیے۔ متفقہ طور پر فیصلہ ہوا۔ وکلاء کو اندر بلا لیا گیا۔ اہلِ اسلام کے وکیل اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی

سعادت حاصل کرنے والے ایڈووکیٹ جناب سید ریاض الحسن گیلانی جب فیصلہ سن کر عدالت کے کمرے سے وکٹری کا نشان بنائے باہر آئے تو مسلمانوں نے عشق نبویؐ سے سرشار ہو کر صدائے اللہ اکبر بلند کی۔ نعرۂ تکبیر کی آواز پر حضرت خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم اور سید انور حسین نفیس رقم دامت برکاتہم نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو دونوں بزرگوں کے چہرہ پر خوشی کے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ سنتے ہی سربسجود ہو گئے۔

یہ منظر کبھی نہ بھولے گا کہ فیصلہ کے بعد قادیانی وکیل تو کسی عقبی دروازہ سے کھسک گئے اور باقی قادیانی ایسے گم ہوئے جیسے مرزا قادیانی کے دل سے حیاء گم ہو گئی تھی۔ اس دو صفحاتی فیصلہ میں لکھا تھا کہ تفصیلی فیصلہ بعد میں دیا جائے گا۔ جسٹس آفتاب ریٹائرڈ ہو گئے تو اس کے بعد جسٹس فخر عالم صاحب چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت بنے۔ وہ بنچ کے بھی سینئر رکن تھے۔ انہوں نے اس مقدمہ کا تفصیلی فیصلہ 29 اکتوبر 1984ء کو سنایا' جو اردو کے 247 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ فیصلہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

اس فیصلہ نے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھ دیا۔ قادیانیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ مرزائیت رسوا ہو گئی۔ اسلام جیت گیا' کفر ہار گیا۔ قل جاء الحق و زھق الباطل کی عملی تفسیر مسلمانوں نے ایک بار پھر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ فالحمد لله اولا واخرا

وفاقی شرعی عدالت نے آرڈیننس کو قرآن و سنت کے مطابق قرار دے دیا۔ اس امتناع قادیانیت آرڈیننس کے ذریعہ پریس آرڈیننس میں بھی ترمیم کر دی گئی تھی' جس کے تحت الفضل ربوہ بند ہو گیا تھا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی صاحبزادی بیگم زرداری' محترمہ بے نظیر صاحبہ تشریف لائیں تو پریس کی آزادی کے ضمن میں اقدامات کرتے ہوئے پریس آرڈیننس کی ترمیم کو اڑا دیا۔ جناب صدر مملکت غلام اسحاق خان نے اس پر تائیدی دستخط کر دیئے۔ الفضل جاری ہو گیا۔ محترمہ بے نظیر صاحبہ اور اسحاق خان کی اس حرکت کا ہمارے پاس سوائے افسوس کے اور کوئی علاج نہ تھا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب ان دنوں قومی اسمبلی کے ممبر تھے۔ انہوں نے بڑی کوشش و سعی کی مگر محترمہ بے نظیر صاحبہ اور وزیر داخلہ اعتزاز صاحب نے پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دیا۔

رحمت عالم ﷺ کی عزت و ناموس کا تحفظ مقدس فریضہ بھی ہے اور سعادتِ ابدی بھی۔ کفر و اسلام کی یہ جنگ جاری ہے۔ قادیانی اپنا کام کر رہے ہیں تو مسلمان اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اسی فرض کی ادائیگی کے ضمن میں ایک بار پھر یہ فیصلہ شائع کر کے آپ لوگوں کے ہاتھوں میں دیا جا رہا ہے۔ حق تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور تمام امت مسلمہ کو اپنے دشمنوں کو پہچاننے اور ان سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ امین بحرمته النبی الامی الکریم

دعا گو

عزیز الرحمٰن جالندھری

خادم عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

صدر دفتر ملتان' پاکستان

وفاقی شرعی عدالت میں

(اصل دائرہ کار)

- مسٹر جسٹس فخر عالم............ چیف جسٹس
- مسٹر جسٹس چودھری محمد صدیق
- مسٹر جسٹس مولانا ملک غلام علی
- مسٹر جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی

شریعت پٹیشن نمبر 17/آئی 1984ء

مجیب الرحمٰن	درخواست دہندگان
اور تین دیگر	

بنام

وفاقی حکومت پاکستان	مدعی علیہ
بذریعہ اٹارنی جنرل آف پاکستان	

شریعت پٹیشن نمبر 2/ایل 1984ء

کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواجد	درخواست دہندگان
اور ایک دوسرا	

بنام

اٹارنی جنرل اسلامی جمہوریہ پاکستان	مدعی علیہ
برائے درخواست دہندگان	مسٹر مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ
(شریعت پٹیشن نمبر 17/آئی 1984ء میں)	(یکے از درخواست دہندگان)
برائے درخواست دہندگان	کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواجد
(شریعت پٹیشن نمبر 2/ایل 1984ء میں)	(یکے از درخواست دہندگان)

منجانب مدعی علیہ حاجی شیخ غیاث محمد ایڈووکیٹ

مسٹر ایم۔ بی۔ زمان ایڈووکیٹ

اور ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ

تاریخ سماعت	15/7/1984	16/7/1984
لاہور میں	17/7/1984	18/7/1984
	19/7/1984	22/7/1984
	23/7/1984	24/7/1984
	25/7/1984	26/7/1984
	29/7/1984	30/7/1984
	31/7/1984	1/8/1984
	2/8/1984	5/8/1984
	6/8/1984	7/8/1984
	9/8/1984	11/8/1984
	12/8/1984	

تاریخ فیصلہ = 28 اکتوبر 1984ء

فیصلہ

فخر عالم چیف جسٹس

آرڈیننس نمبر 20 مجریہ 1984ء جو قادیانی گروہ' لاہوری گروہ اور احمدیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی (ممانعت اور سزا) کا آرڈیننس مجریہ 1984ء کہلاتا ہے' گزٹ آف پاکستان کی (غیر معمولی) اشاعت مورخہ 26 اپریل 1984ء میں شائع ہوا تھا۔ اس آرڈیننس نے مجموعہ تعزیراتِ پاکستان (ایکٹ نمبر 45 مجریہ 1860ء) مجموعہ ضابطہ فوجداری مجریہ 1898ء (ایکٹ نمبر 5 مجریہ 1898ء) اور پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس مجریہ 1963ء کی بعض دفعات میں ترمیم کردی۔

2...... قادیانی لوگ جو قادیان کے مرزا قادیانی (جنہیں بعد میں مرزا صاحب کہا جائے گا) کے پیروکار ہیں' دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ تاہم دونوں گروہ احمدیوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

3...... ایک گروہ جو عموماً قادیانی گروہ کے نام سے معروف ہے' یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مرزا صاحب مہدی موعود' مسیح موعود اور پیغمبر تھے۔ لاہوری گروہ کہتا ہے کہ وہ مجدد' مہدی موعود اور مسیح موعود تھے۔

4...... دو درخواستیں' ایک قادیانی گروہ کے چند ارکان کی جانب سے اور دوسری لاہوری گروہ کے دو ارکان کی جانب سے بمطابق نمبر 17/آئی 1984ء اور 2/ایل 1984ء دائر کی گئی تھیں جن میں قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی رو سے آرڈیننس کے مندرجات کو چیلنج کیا گیا تھا۔

5...... اس مسئلے کی مفصل سماعت چار ہفتوں سے زیادہ مدت تک جاری رہی۔ مسٹر مجیب الرحمٰن' جو شریعت پٹیشن نمبر 17/آئی 1984ء کے درخواست دہندگان میں سے ایک ہیں اور کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواجد' جو شریعت پٹیشن نمبر 2/ایل 1984ء کے درخواست دہندگان میں سے ہیں' نے درخواست دہندگان کے حق میں دلائل دیئے' جبکہ شیخ غیاث محمد ایڈووکیٹ اور ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی نے حکومت کے حق میں دلائل دیے۔ عدالت نے اس مسئلے سے متعلق امور میں اپنی مدد کے لیے مندرجہ ذیل مشیرانِ قانونی اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام کو دعوت دی جنہوں نے مسئلہ پر مفصل بحث کی:

(1) قاضی مجیب الرحمٰن

(2) پروفیسر محمود احمد غازی

(3) مولانا صدرالدین الرفاعی

(4) علامہ تاج الدین حیدری

(5) پروفیسر محمد اشرف

(6) علامہ مرزا محمد یوسف

(7) پروفیسر مولانا طاہر القادری

6......1973ء کے دستور کی دفعہ 106 اور دفعہ 260 میں دوسرے دستوری ترمیمی ایکٹ مجریہ 1974ء (ایکٹ نمبر 49 مجریہ 1974ء) کے ذریعے ترمیم کردی گئی تھی۔ دفعہ 260 میں ذیلی دفعہ (3) کا اضافہ کردیا گیا تھا اور ایسے تمام اشخاص کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا جو کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی قطعی اور غیر مشروط ختم نبوت کا عقیدہ نہیں رکھتے یا جو حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم یا لفظ میں نبی ہونے کا دعویٰ کریں یا جو کسی بھی ایسے مدعی کو نبی یا مذہبی مصلح مانیں۔ دوسروں کے علاوہ اس تعریف میں قادیانیوں کے دونوں گروہوں کو شامل کرتے ہوئے انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

7......دفعہ 106 صوبائی اسمبلیوں کی تشکیل سے بحث کرتے ہوئے ان ارکان کی تعداد اور اوصاف کو واضح کرتی ہے جن کا اسمبلیوں کے لیے چناؤ ہوگا' نیز ان اسمبلیوں میں غیر مسلموں یعنی عیسائیوں' ہندوؤں' سکھوں' بدھوں اور پارسیوں کے لیے مخصوص اضافی نشستوں کا تعین کرتی ہے۔

دوسری دستوری ترمیم مجریہ 1974ء کی رو سے ان گروہوں میں ''قادیانی گروہ اور لاہوری گروہ کے اشخاص (جو خود کو احمدی کہتے ہیں)'' کا اضافہ کیا گیا تھا۔

8......یوں دفعہ 106 کو دفعہ 260 کی ذیلی دفعہ 3 کے اعلان میں عملی شکل دی گئی اور ہر دو عقیدوں کے احمدیوں کو دوسری اقلیتوں کے مساوی حیثیت دے دی گئی۔

9......دستور کی ان دفعات کے علی الرغم احمدی' خود کو مسلمان اور اپنے مذہب کو اسلام کا نام دینے پر قائم رہے اور انہوں نے بڑی بے حسی کے ساتھ مسلمانانِ پاکستان کی پریشانی کو نظر انداز کیے رکھا۔ ان کی جانب سے متذکرہ دستوری دفعات کی خلاف ورزی اور مرزا صاحب کی بیوی' افراد خانہ' ساتھیوں اور جانشینوں کے لیے علی الترتیب ام المومنین (مومنوں کی ماں)' اہل بیت (رسول پاک ﷺ کے خاندان کے افراد)' صحابہ (ساتھی)' خلفاء راشدین (راستباز خلفاء)' امیر المومنین' خلیفۃ المومنین'

خلیفۃ المسلمین (ایسے القاب جوعموماً مسلمان حکمرانوں اور پاکباز خلفاء ہی کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور جو صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہیں اور کبھی بھی غیر مسلموں کے استعمال میں نہیں آئے) ایسے القاب' اوصاف اور الفاظ کا مسلسل استعمال اور ان کی بے حرمتی جاری رہی۔ اسی وجہ سے مقدس شخصیات کے بارے میں توہین آمیز کلمات کے استعمال کو مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ 45 مجریہ 1860ء) کی دفعہ 298اے (جس کا اضافہ حال ہی میں آرڈیننس نمبر 44 مجریہ 1980ء کے تحت کیا گیا ہے) کے مطابق فوجداری اور قابلِ سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔ یہ دفعہ یوں ہے:

298اے

''مقدس شخصیات کے بارے میں ہتک آمیز کلمات وغیرہ کا استعمال

جو کوئی بھی زبانی یا تحریری الفاظ میں یا کسی بھی ذریعہ اظہار سے خواہ براہ راست یا بالواسطہ یا کسی چوٹ یا اشارے یا کنائے سے رسول پاک ﷺ کی کسی بیوی (ام المومنین) یا افراد خاندان (اہل بیت) یا آپؐ کے راستباز خلفاء (خلفائے راشدین) یا ساتھیوں (صحابہؓ) میں سے کسی کے مقدس نام کی توہین کرتا ہے' وہ کسی بھی قسم کی قید جو تین سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔''

10...... یہ دفعہ عمومی الفاظ میں ادا ہوئی تھی اور صرف احمدیوں پر لاگو نہیں کی گئی تھی۔ احمدیوں کے اصرار کی وجہ سے مسلمانوں میں پائے جانے والے احتجاج کے نتیجے میں زیر بحث آرڈیننس جاری کیا گیا' جس نے مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر 45 مجریہ 1860ء) میں دفعہ 298۔بی اور دفعہ 298۔سی کا اضافہ کیا اور مجموعہ ضابطہ فوجداری مجریہ 1898ء (ایکٹ نمبر 5 مجریہ 1898ء) اور ویسٹ پاکستان پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس مجریہ 1963ء میں ذیلی ترامیم کیں۔

دفعہ 298۔بی اور دفعہ 298۔سی یوں ہیں:

298بی

مقدس شخصیات اور مقامات کے لیے مخصوص القاب' اوصاف اور الفاظ کا غلط استعمال:

(1) قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ (جو خود کو احمدی یا کسی بھی دوسرے نام سے پکارتے ہیں) کا کوئی شخص جو خواہ تحریری یا زبانی الفاظ کے ذریعے یا کسی بھی اظہار بیان سے

(الف) رسولِ پاک حضرت محمد ﷺ کے کسی خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی شخص کو امیر المومنین' خلیفۃ المومنین' خلیفۃ

المسلمین، صحابی یا رضی اللہ عنہ کے القاب سے ذکر کرتا یا مخاطب کرتا ہے۔

(ب) رسولِ پاک حضرت محمد ﷺ کی کسی بیوی کے سوا کسی شخص کو ام المومنین کے نام سے ذکر کرتا یا مخاطب کرتا ہے۔

(ج) رسولِ پاک حضرت محمد ﷺ کے افرادِ خاندان کے سوا کسی دوسرے شخص کو اہل بیت کے نام سے یاد کرتا یا مخاطب کرتا ہے، یا

(د) اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے موسوم کرتا، ذکر کرتا یا پکارتا ہے۔

وہ کسی بھی قسم کی قید جو تین سال تک ہو سکتی ہے، کی سزا پائے گا اور جرمانے کا بھی مستحق ٹھہرے گا۔

(2) قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے پکارتے ہیں) میں سے جو شخص بھی زبانی یا تحریری کلمات سے یا کسی محسوس اظہار سے نماز کے لیے بلانے کے طریقے یا شکل، جو اس کے اپنے عقیدے کے مطابق مروجہ اذان ہو، کا ذکر کرتا ہے یا مسلمانوں میں مروّجہ اذان پڑھتا ہے، وہ کسی بھی قسم کی قید جو تین سال تک ہو سکتی ہے، کی سزا پائے گا اور جرمانے کا بھی مستحق ٹھہرے گا۔

298 سی

قادیانی گروہ وغیرہ کے اشخاص جو خود کو مسلمان پکاریں یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کریں۔

قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی بھی دوسرے نام سے پکارتے ہیں) میں سے جو شخص اپنے آپ کو براہِ راست یا بالواسطہ مسلمان ظاہر کرے گا یا اپنے عقیدے کو اسلام کے نام سے ذکر کرے گا یا پکارے گا یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرے گا یا دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے گا، یا خواہ زبانی یا تحریری کلمات سے یا محسوس تعبیرات یا کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرتا ہے، وہ کسی بھی قسم کی قید جو تین سال تک ہو سکتی ہے، کی سزا پائے گا اور جرمانے کا بھی مستحق ٹھہرے گا۔

11......ان دفعات نے ایک احمدی کے لیے ان امور کو فوجداری جرم قرار دیا ہے:

(الف) خود کو براہِ راست یا بالواسطہ مسلمان ظاہر کرنا یا اپنے مذہب کو اسلام کا نام دینا،

(ب) اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرنا یا دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دینا یا کسی انداز سے خواہ وہ کیسا ہو، مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی توہین کرنا،

(ج) لوگوں کو نماز کے لیے اذان پڑھ کر بلانا یا نماز کے لیے بلانے کے اپنے طریقے یا شکل کو اذان کا نام دینا'

(د) اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے ذکر کرنا یا پکارنا'

(ھ) رسولِ پاک حضرت محمد ﷺ کے کسی خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو امیر المومنین' خلیفۃ المومنین' خلیفۃ المسلمین' صحابی یا رضی اللہ عنہ' رسولِ پاک ﷺ کی کسی بیوی کے سوا کسی دوسرے شخص کو اہلِ بیت کا نام دینا۔

12...... وہ بڑی وجہ جس کی خاطر یہ درخواستیں دائر کی گئی ہیں اور جس پر مختلف زاویوں سے استدلال کیا گیا ہے' یہ ہے کہ زیر بحث آرڈیننس سے شریعت کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور احمدیوں کے اپنے مذہب کو ماننے' اس پر عمل پیرا ہونے' اس کی تبلیغ یا تشہیر کرنے کے دستوری حق کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔

13...... یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ دستوری دفعات کے باوجود درخواست دہندگان اپنے دلائل میں خود کو مسلمان اور اپنے عقیدے کو اسلام کہنے پر مُصر رہے اور انہوں نے یہ موقف اختیار کیے رکھا کہ انہیں غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ کسی مذہبی ادارے کی جانب سے نہیں بلکہ اس وقت کی حکمران جماعت کی جانب سے کیا گیا تھا۔ درخواست دہندگان پر یہ حقیقت واضح کردی گئی تھی کہ دستوری ترمیم تمام پارٹیوں کے اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی اور پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ تقریباً عدالتی طریقے پر فریقین' جن میں قادیانی جماعت کے سربراہ بھی شامل ہیں' کے دلائل سننے کے بعد دیا تھا۔

14...... مسٹر مجیب الرحمٰن نے کہا کہ چونکہ عدالت کو دستور کی دفعات کے خلاف فیصلہ صادر کرنے کا اختیار حاصل نہیں' اس لیے وہ یہ نکتہ اٹھانا نہیں چاہتے کہ آیا قادیانی مسلمان ہیں یا غیر مسلم۔ تاہم وہ اس امر پر زور دیتے رہے کہ چونکہ قادیانی غیر مسلم نہیں ہیں بلکہ اقتدارِ اعلیٰ نے انہیں ایسا قرار دیا تھا۔

15...... بعد میں انہوں نے واضح کیا کہ اگر سرکاری وکیل نے یہ استدلال کیا کہ قادیانی' شریعت کی رُو سے بھی غیر مسلم ہیں تو وہ اس استدلال کی مفصل تردید کرنا پسند کریں گے۔

ہم نے وفاقی حکومت کے وکیل مسٹر ریاض الحسن گیلانی سے استفسار کیا کہ کیا وہ صرف اس مفروضے پر کہ قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے' قائم رہیں گے یا اس سے ہٹ کر شریعت کی روشنی میں ان کی حیثیت پر استدلال کریں گے۔ انہوں نے موخر الذکر مفروضے کو پسند کیا۔ اس پر مسٹر مجیب الرحمٰن نے گزارش کی کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں قادیانیوں کی حیثیت کی توضیح پر دلائل دیں گے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن کا احمدیوں کے مسلمان ہونے کے مفروضے پر استدلال عدالت کو اس مسئلہ پر محاکمہ کرنے کی دعوت ہے۔ یوں عدالت کو اس نکتہ پر اپنا فیصلہ دیے بغیر چارہ نہیں۔ اسی نکتے پر پورا زورِ استدلال صرف کیا گیا ہے' اس لیے اس فیصلے میں اسے نمٹایا جائے گا۔

اس لیے اختتام پر پیش کردہ تحریری دلائل میں شامل یہ دعویٰ کہ خود درخواست دہندگان نے اپنے عقیدے کے مسئلے کو اٹھانا نہیں چاہا تھا' صرف جزوی طور پر ہی درست ہے۔

اس درخواست میں اٹھائے گئے نکات اور زیر بحث آرڈیننس کی مختلف دفعات کے اثرات کی تفصیل میں جانے سے پہلے مناسب ہوگا کہ مسلمانوں کے ہاں حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کے عقیدے پر روشنی ڈالی جائے کیونکہ مسلمانوں اور احمدیوں کے مابین اختلاف کا مرکزی نکتہ یہی ہے اور یہی دوسری دستوری ترمیم مجریہ 1974ء (ایکٹ نمبر 49 مجریہ 1974ء) جس کے مطابق احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا' کی اساس ہے۔

تمام مکاتبِ فکر کے مسلمان حضرت محمد ﷺ کی قطعی ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسے اپنے ایمان کا جزو سمجھتے ہیں۔ یہ اجماعی عقیدہ قرآن کریم کی آیت نمبر 33:40 پر مبنی ہے۔ یہاں یہ آیت اپنے معنی اور تشریحات کے ساتھ درج کی جاتی ہے:

ما کان محمدابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ط وکان اللہ بکل شیء علیماO

محمدؐ تم میں سے کسی شخص کا باپ نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا رسول اور نبیوں کی مہر ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

(احزاب۔آیت 40)

لفظ خاتم النبیین کی تعبیر وتشریح شروع ہی سے ہوتی آئی ہے۔ خود رسولِ پاک ﷺ کی احادیث میں اس کی تفسیر موجود ہے۔ نیز قرآن کریم کے مفسرین' فاضل علماء اور ممتاز فقہاء اس کی تشریح کر چکے ہیں۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ اسے خاتم النبیین بھی پڑھ سکتے ہیں۔ خاتم کا معنی ختم کرنے والا ہے۔ اس امر میں کوئی اختلافِ رائے نہیں کہ اگر لفظ خاتم النبیین ہو تو اس کا معنی ہوگا ''وہ جس کی نبوت پر سلسلہ نبوت ختم ہوتا ہے۔'' (دیکھیے لسان العرب ج 4 ص 45)

خاتم کا معنی مُہر اور خاتم النبیین کا معنی نبیوں پر مُہر ہوگا۔ (ایضاً) اس کا مسلمہ اور اجماعی مفہوم یہ ہے کہ وہ آخری نبی جو نبوت پر مُہر لگا دیتا ہے اور جس کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور نبیوں کی آمد کا اختتام قطعی ہے۔ یہی معنی مرزا صاحب نے قبول کیا تھا۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم' صفحہ 534 روحانی خزائن ج 3 ص 387)۔ تاہم اپنے دعویٰ نبوت کے بعد انہوں نے اس لفظ کے

معنی تبدیل کر لیے اور اس کا مطلب یہ نکالا کہ جن نبیوں کا بعد میں آنا مقدر ہے' ان کی آمد کے لیے حضرت محمد ﷺ کی مہر' جس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کی آمد کا سلسلہ منتہی اور بند نہیں ہوا بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد جو کوئی بھی نبی بن کر آئے گا' وہ لازماً ان کی مُہر ہی سے آئے گا۔ منشاء یہ ہے کہ وہ انہی کی منظوری کی مُہر سے نبی بن کر اس دنیا میں قرآن وسنت پر مشتمل ان کی شریعت کی تجدید کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

یہ تعبیر' جیسا کہ اوپر واضح ہوا' قطعی ختم نبوت کی اس تفسیر سے انحراف ہے جس پر اجماع ہو چکا ہے اور جس کی جھلک خود مرزا صاحب کی پہلی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔

اس آیت میں لفظ ''خاتَم'' دو طرح پڑھا گیا ہے یعنی خاتَم اور خاتِم۔ ابن امیر اور عاصم خاتَم (ت پر فتحہ یعنی زبر کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔ اس شکل میں یہ اسم ہے جس کا معنی آخری ہے اور خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے۔ دوسرے اسے خاتِم (ت کے نیچے کسرہ یعنی زیر کے ساتھ) پڑھتے ہیں' جو اسم فاعل ہوگا اور اس کا معنی ''ختم کرنے والا'' ہے۔ اس شکل میں خاتِم النبیین ''(سلسلہ) انبیاء کو ختم کرنے والا'' ہوگا' یعنی جس پر نبوت ختم ہوگئی۔ (معالم التنزیل از امام بغویؒ' جلد 4' صفحہ 218)

لسان العرب ج 4 ص 24 میں ہے کہ ختم کا معنی ختم کرنا ہے' کہا جاتا ہے ختم اللہ امرہ بالخیر (اللہ اس کا معاملہ بھلائی پر ختم کرے) ہر چیز کی انتہاء کو خاتم کہتے ہیں' اس کی جمع خواتم ہے اور معنی خاتمہ ہوگا۔ فراء کہتے ہیں کہ خاتَم اور خاتِم مترادف ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ گرامر کی رُو سے پہلا اسم ہے اور دوسرا اسم فاعل ہے۔ خاتَم اور خاتِم' رسول اللہ ﷺ کے نام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آیت 33:40 میں فرماتے ہیں کہ وہ خاتم النبیین ہیں جس کا معنی آخری نبی ہے۔

''ختم'' کا معنی روکنا بھی ہے۔ اس کا عمومی مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو دوسری اشیاء میں ملنے سے بچانا۔ خاتم کا معنی مُہر لگانا بھی ہے یعنی کسی دوسری چیز کو مُہر شدہ چیز میں ملنے سے بچانا۔ خاتم کا معنی انگوٹھی بھی ہے۔ (جلد 12' ص 53' 55)

الراغب کہتے ہیں کہ ختم اور طبع کا معنی کسی چیز کو کندہ کرنا اور چھاپ اور مُہر سے ثبت کرنا ہوتا ہے۔ پہلا لفظ کبھی کبھی مجازاً اپنے آپ کو کسی چیز سے بچانے یا محفوظ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ محفوظ کرنے کے مفہوم سے ہی تحریروں اور دروازوں پر مُہر لگانے کا مطلب نکلتا ہے اور کبھی ایک چیز سے دوسری چیز پر نقش یا اثر لگانے کے معنی ہیں۔ اسی سے چھاپ یا مُہر سے مُہر لگانا ہے اور کبھی اس کا مفہوم (کسی چیز کے) اختتام پر پہنچنا ہوتا ہے۔ (دیکھئے مفردات امام راغب ص 142 لین لفظ ختم)۔

ختم علی قلبه (اس کے دل پر مُہر لگادی) کا مفہوم یہ ہے کہ اسے بے سمجھ بنادیا یا اس کے دل و دماغ کو ناکارہ کردیا۔ (لین لفظ ختم)۔ ختم الله علی قلوبهم (اللہ نے ان کے دلوں پر مُہر لگادی) اور طبع الله علی قلوبهم (اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگادیا) اللہ تعالیٰ کے اس دستور کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انسان جب عقیدۂ باطلہ اور معاصی کے ارتکاب میں آخری حدوں کو چھونے لگتا ہے اور حق قبول کرنے سے کلیۃً غافل ہوجاتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کی کیفیت ایسی ہوجاتی ہے کہ وہ معاصی کو پسند کرتا ہے اور گناہوں کا پختہ عادی ہوکر رہ جاتا ہے۔ یوں گویا اس کے گندے کردار کی اس پر مہر لگادی گئی (دیکھئے مفردات امام راغب اصفہانی' صفحہ 142' دیکھئے لین لفظ ختم)۔ خاتم النبیین کا معنی ہے ''وہ نبی جس کی آمد پر (سلسلہ) نبوت ختم ہوگیا (مفردات راغب اصفہانی' صفحہ 142' 143)۔

تاج العروس میں ہے:

و من اسمائه صلی الله علیه وسلم الخاتم والخاتم وهو الذی فقد النبوة بمجیئه (رسول اللہ ﷺ کے ناموں میں سے خاتم اور خاتَم بھی ہیں' جن کا معنی یہ ہے کہ ان کی آمد پر نبوت ختم ہوگئی)

(تاج العروس' جلد 14' صفحہ 191' طبع بیروت نیز دیکھئے مجمع البحار' جلد 2' صفحہ 15)

یوں لفظ خاتَم (مُہر) یا خاتِم (ختم کرنے والا) دونوں ایک ہی معنے میں ہیں۔

اسی بنا پر تمام علماء لغت اور مفسرین نے بالاتفاق خاتم النبیین کا معنی آخر النبیین (آخری نبی) لیا ہے۔ عربی زبان کے محاورے یا لغت میں خاتَم کا لفظ ڈاک کی اس مُہر پر نہیں بولا جاتا جو لفافے کے اجراء کی خاطر اس پر لگائی جاتی ہے بلکہ اس مُہر پر بولا جاتا ہے جو لفافے کو محفوظ کرنے کی غرض سے لگائی جاتی ہے تاکہ جب تک مہر کو توڑا نہ جائے اس کے اندر کی چیز باہر اور نہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل کی جاسکے۔

تمام مشہور مفسرین نے آیت 33:40 کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور زیر بحث مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ چند ایسی احادیث موجود ہیں جن میں قیامت کے قریب حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ثانیہ کا تذکرہ ہے۔ کچھ علماء نے ان احادیث کو قرآن کریم اور سنت سے متعارض ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے لیکن بہت بڑی اکثریت ان کی صحت کی قائل ہے۔ اکثریت کی رائے میں ان احادیث اور قرآن کریم کے مابین کوئی تعارض نہیں' کیونکہ عیسیٰؑ جو اللہ کے رسول اور نبی تھے رسولِ پاک ﷺ کی بعثت سے بہت پہلے منصب نبوت پر فائز ہوئے تھے جبکہ آیت کا تعلق حضرت محمد ﷺ کے بعد نئے نبی کی آمد سے ہے' بلکہ حضرت عیسیٰؑ کا

ظہوراس امت اسلامیہ کے ایک فرداور شریعت اسلامیہ کے متبع کی حیثیت سے ہوگا۔اب یہ مستند تفسیری آراءاور تشریحات درج کی جاتی ہیں:

(1) علامہ ابن جریر طبری (224 - 310ھ) اپنی مشہور تفسیر میں اس آیت کی تشریح یوں کرتے ہیں:

''اس نے نبوت ختم کردی اوراس پر مُہر لگادی۔اب یہ دروازہ قیامت تک کسی کے لیے نہیں کھلے گا۔'' (تفسیر طبری' جزء 22' صفحہ 12)۔

(2) امام طحاوی (239-321ھ) اپنی کتاب ''العقیدۃ السلفیۃ'' میں نبوت کے بارے میں ائمہ سلف خصوصاً امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف اورامام محمد رحمہم اللہ کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے' اس کے نبی اور محبوب ہیں اور وہ آخری نبی' سیدالاولیاءاور سید المرسلین ہیں اور رب العالمین کے محبوب ہیں۔''

(شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ' دارالمعارف مصر' صفحات 15' 87' 96' 100' 102)۔

(3) علامہ ابن حزم اندلسی (384-456ھ) لکھتے ہیں:

''بلاشبہ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد نزولِ وحی کا سلسلہ ختم ہے۔وجہ یہ ہے کہ وحی کا نزول صرف نبی پر ہوتا ہےاور اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسول اور آخری نبی ہے۔'' (المحلّے' جلداول' صفحہ 26)

(4) امام غزالی (450-505ھ) فرماتے ہیں:

''اس امر پر امت مسلمہ کا کامل اجماع ہے کہ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ رسولِ پاک ﷺ کے ارشاد ''لا نبیّ بعدی'' سے مراد یہی ہے کہ ان کے بعد نہ کوئی نبی اور نہ رسول ہوگا۔ جو شخص بھی اس حدیث کا کوئی اور مطلب بیان کرتا ہے' وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے' اس کی تشریح باطل اوراس کی تحریر کفر ہوگی۔علاوہ ازیں امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس کے سوا اس کی کوئی اور تشریح نہیں۔جو اس کا انکار کرتا ہے وہ اجماعِ امت کا منکر ہے۔'' (الاقتصاد فی الاعتقاد' مصر' صفحہ 123)

(5) محی السنہ بغوی (م516ھ) اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نبوت ختم کر دی ہے۔سو وہ انبیاء (کے سلسلے) کی آخری کڑی ہیں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) فیصلہ کر دیا ہے کہ ان کے بعد اور کوئی نبی نہ ہوگا'' (معالم التنزیل' جلد 3 'صفحہ 158)

(6) علامہ زمخشری (467-538ھ) اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں لکھتے ہیں:

''اگر آپ یہ سوال کریں کہ جب یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰؑ قیامت سے پہلے آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو پھر رسولِ پاک ﷺ آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس معنی میں آخری نبی ہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص نبی کی حیثیت سے مبعوث نہ ہوگا۔رہا حضرت عیسیٰؑ کا معاملہ' تو وہ ان انبیاء میں سے ہیں جنہیں حضرت محمد ﷺ سے پہلے نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا اور جب وہ دوبارہ آئیں گے تو حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے متبع ہوں گے اور انہیں کے قبلہ (الکعبہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے' جیسا کہ امت کے دوسرے افراد کرتے ہیں۔'' (الکشاف' جلد 2 'صفحہ 215)

(7) قاضی عیاض (م 544ھ) لکھتے ہیں:

''جو شخص بھی اپنے لیے دعوائے نبوت کرتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ کوئی اسے حاصل کر سکتا ہے اور صفائے قلبی سے منصب نبوت پا سکتا ہے' جیسا کہ بعض فلسفیوں اور نام نہاد صوفیوں کا دعویٰ ہے' اسی طرح جو نبوت کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا مدعی ہے...... ایسے تمام لوگ کافر اور حضرت محمد ﷺ کے منکر ہیں' کیونکہ وہ ہمیں بتا چکے ہیں کہ ''وہ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ اطلاع منجانب اللہ تھی کہ اس نے نبوت بند کر دی ہے اور وہ تمام کائنات کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ ان الفاظ کا اس ظاہری مفہوم کے سوا اور کوئی معنی نہیں اور اس سے مختلف تشریح یا خاص معنی لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔اس لیے اجماع اور احادیث دونوں کی رُو سے ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہونا چاہئے۔'' (شفاء' جلد 2 'صفحات 247)

(8) امام رازیؒ (543 - 606ھ) اپنی تفسیر کبیر میں خاتم النبیین کی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں خاتم النبیین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آنا ہوتا ہے تو وہ تبلیغ اور احکام کی توضیح کا مشن کسی حد تک نامکمل چھوڑ جاتا ہے اور بعد میں آنے والا اسے مکمل کرتا ہے' لیکن جس نبی کے بعد کسی اور نبی کی آمد نہیں

ہوگی وہ اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق ہوتا ہے اور ان کے لیے واضح' قطعی اور کامل ہدایت فراہم کرتا ہے' جیسے ایک باپ جانتا ہو کہ اس کے بعد اس کے بیٹے کی نگہداشت کرنے والا کوئی سرپرست اور کفیل نہ ہوگا۔"

(تفسیر کبیر' جلد 6' صفحہ 581)

(9) علامہ شہرستانی (م 548ھ) اپنی کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں:

"اسی طرح جو یہ کہتا ہے.......... کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی اور نبی (حضرت عیسیٰ نبی کے سوا) مبعوث ہوگا' وہ بھی کافر ہے اور اس مسئلہ میں کسی قسم کا کوئی اختلافِ رائے موجود نہیں' یہاں تک کہ کسی دو انسانوں میں بھی۔"

(10) علامہ بیضاوی (م 685ھ) اپنی تفسیر انوار التنزیل میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ انبیاء کی آخری کڑی ہیں جنہوں نے ان کے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے اور سلسلہ نبوت پر مُہر لگا دی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ثانیہ سے رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ وہ جب آئیں گے تو انہی کی شریعت کے پیروکار ہوں گے۔" (انوار التنزیل' جلد 4' صفحہ 164)

(11) علامہ حافظ الدین نسفی (م 710ھ) اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی اور شخص نبی نہیں ہوگا۔ رہے حضرت عیسیٰ تو وہ آپؐ سے پہلے انبیاء میں سے ہیں اور جب وہ دوبارہ آئیں گے تو وہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے اور انہی کی امت کے ایک فرد کی طرح ہوں گے۔" (مدارک التنزیل' جلد 5' صفحہ 471)

(12) علامہ علاؤالدین بغدادی (م 725ھ) اپنی "تفسیر خازن" میں لکھتے ہیں:

"و خاتم النبیین یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر سلسلہ نبوت بند کر دیا ہے۔ اب ان کے بعد نہ کوئی نبوت ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی شراکت یا حصہ داری ہے...... اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"......

(لباب التاویل فی معانی التنزیل' جلد 5' صفحات 471-472)

(13) علامہ ابن کثیر (م 774ھ) اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں:

"تو یہ آیت اس امر میں نص ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور اگر ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو رسول بطریق اولیٰ نہ ہوگا' کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت سے اخص ہے' کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا...... آپؐ

کے بعد جو شخص بھی اس منصب کا دعویٰ کرتا ہے وہ کذاب' دجال' مفتری اور کافر ہے' خواہ وہ کسی قسم کے غیر معمولی کرشمے اور جادوگری کے طلاسم دکھاتا پھرے......اور اسی طرح قیامت تک جو شخص بھی اس منصب کا مدعی ہو' وہ کذاب ہے......''

(تفسیر ابن کثیر' جلد 3' صفحات 493 - 494)

(14) علامہ جلال الدین سیوطی (م 911ھ) جلالین میں لکھتے ہیں:

''وکان اللہ بکل شی علیما اللہ تعالیٰ ہر چیز سے آگاہ ہے اور جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور حضرت عیسیٰؑ جب نازل ہوں گے تو وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے پیروکار ہوں گے۔'' (جلالین' صفحہ 768)

(15) علامہ ابن نجیم (م 970ھ) اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں:

''جو شخص حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرتا ہے' وہ مسلمان نہیں کیونکہ یہ ایمان کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ (الاشباہ والنظائر' صفحہ 179)

(16) ملا علی قاری (م 1016ھ) شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

''اس نکتہ پر امت کا کامل اجماع ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔''

(شرح فقہ اکبر' صفحہ 202)

(17) شیخ اسماعیل حقی (1137ھ) اپنی تفسیر روح البیان میں مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عاصم نے اس لفظ کو خاتَم پڑھا ہے جس کا معنی مُہر لگانے کا وہ آلہ ہے جس سے اشیاء پر مُہر لگائی جاتی ہے' جس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخر میں آئے ہیں اور انہی پر انبیاء کا سلسلہ بند ہوا اور اس پر مُہر لگ گئی۔ بعض نے اسے خاتِم پڑھا ہے جس کا معنی مُہر لگانے والا ہے تو اس طرح خاتَم' خاتِم کا ہم معنی ہوا .... اسی بنا پر اس امت کے علماء صالحین ولایت میں آپ کے جانشین ہوں گے' کیونکہ نبوت کی جانشینی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ثانیہ سے رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ خاتم النبیین کا معنی یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا......اور عیسیٰؑ آپؐ سے قبل نبوت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور بعثت ثانیہ کے وقت وہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے متبع ہوں گے اور آپؐ کے دوسرے امتیوں کی طرح انہی کے قبلہ کی جانب رخ کر کے نماز ادا کریں گے اور

حضرت محمد ﷺ کے خلیفہ ہوں گے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور آخری نبی ہے" اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے" میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔" اب جو شخص بھی یہ کہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نبی ہے' اسے کافر قرار دیا جائے گا کیونکہ اس نے ایمان کے ایک بنیادی جزو کا انکار کیا ہے' اسی طرح جو اس میں شک کرتا ہے وہ بھی کافر ہے کیونکہ باطل سے حق واضح اور روشن ہو چکا ہے اور حضرت محمد ﷺ کے بعد ایسا دعویٰ کرنا دجل وفریب کے سوا کچھ نہیں۔"

(روح البیان' جزء 22' ف صفحہ 188)

(18) فتاویٰ عالمگیری' جسے بارہویں صدی ہجری میں ممتاز علماء کے ایک بورڈ نے شہنشاہِ ہند اورنگزیب عالمگیر کی ہدایت پر مدون کیا تھا' میں ہے:

"اگر کوئی شخص اس بات کا منکر ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا رسول یا نبی ہے تو وہ کافر قرار دیا جائے گا۔"

(فتاویٰ عالمگیری' جلد 2' صفحہ 263)

(19) علامہ شوکانی (م 1255ھ) اپنی تفسیر "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں:

"جمہور نے اسے خاتم پڑھا ہے اور عاصم نے خاتَم۔ پہلی قرات کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کو ختم کر دیا ہے یعنی وہ تمام انبیاء کے بعد آخری نبی بن کر آئے ہیں اور دوسری قرات کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کے لیے ایسی مُہر کی مانند ہیں جس سے ان پر مُہر لگی اور جس کی ان میں شمولیت سے انہیں زینت ملی۔" (فتح القدیر' جلد 4' صفحہ 285)

(20) علامہ آلوسی (م 1270ھ) اپنی تفسیر "روح المعانی" میں لکھتے ہیں:

نبی کا لفظ عام ہے اور رسول خاص ہے' اس لیے رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے خاتم المرسلین ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس دنیا میں آپ کے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد کسی بھی انسان یا جن کو یہ منصب نصیب نہیں ہوگا۔" (روح المعانی' جزء 22' صفحہ 32)

"ان کے بعد جو شخص بھی وحی نبوت کے نزول کا دعویٰ کرتا ہے' اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ اس بارے میں مسلمانوں میں

کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ (روح المعانی' جزء 22' صفحہ 38) حضرت رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا ایسی حقیقت ہے جس کی تصریح خود کتاب اللہ نے کر دی ہے اور سنت نے اسے واضح کر دیا ہے اور اس مسئلہ پر امت کا اجماع ہو چکا ہے' لہٰذا اس کے خلاف جو بھی دعویٰ کرے گا' وہ کافر قرار پائے گا۔"

(روح المعانی' جزء 22' صفحہ 39)

ختم نبوت کا یہی تصور مندرجہ ذیل شیعہ مفسرین نے بھی بیان کیا ہے:

(1) علی بن ابراہیم (م 329ھ/941ء) "تفسیر القمی" صفحہ 532' مطبوعہ نجف (عراق)

(2) شیخ ابوجعفر محمد بن حسن بن علی طوسی (م 460ھ) تفسیر التبیان' جلد 8' صفحہ 314' مطبوعہ نجف (عراق)

(3) ملا فتح اللہ کاشانی (م 488ھ) تفسیر منہج الصادقین' جلد 7' صفحہ 333' مطبوعہ نجف (عراق)

(4) ابوعلی فضل بن حسین طبرسی (م 548ھ) تفسیر مجمع البیان' جلد 2' صفحہ 289' طبع نجف (عراق)

(5) ملا محسن کاشی' تفسیر الصافی' صفحہ 491' طبع نجف (عراق)

(6) ہاشم بن سلیمان بن اسماعیل حسینی (م 1107ھ) تفسیر البرہان' جلد 3' صفحہ 327' طبع قم (ایران)

(7) علامہ حسین بخش' انوار النجف' جلد 11' صفحہ 211' طبع لاہور۔

(8) مولانا سید عمار علی' تفسیر عمدۃ البیان' جلد 12' طبع دہلی۔

(9) مقبول احمد' ترجمہ و تفسیر قرآن' صفحہ 507' طبع لاہور۔

حافظ فرمان علی' ترجمہ و تفسیر قرآن' صفحہ 585۔

زمخشری (467 - 538ھ) تفسیر کشاف میں' قاضی بیضاوی (م 685ھ) انوار التنزیل میں' امام رازی (-606 543ھ) تفسیر کبیر' جلد 3' صفحہ 343 میں' امام نووی (631-676ھ) شرح مسلم' جلد 2' صفحہ 189' شرح مسلم جزء 18' صفحہ 75 میں' علاؤالدین بغدادی (م 725ھ) تفسیر خازن' صفحہ 471 - 472 میں' تفتازانی (722 - 792) شرح عقائد نسفی' صفحہ 1' میں' ابن حجر عسقلانی (م 449ھ) فتح الباری' جلد 6' صفحات 315' 117 میں' بدرالدین عینی (م 855ھ) عمدۃ القاری' جلد 16' صفحہ 40 میں' قسطلانی (851 - 923ھ) ارشاد الساری' جلد 6' صفحہ 18 میں' ابن ہیثمی (909 - 973ھ) فتاویٰ حدیثیہ' صفحات 128 - 129 میں' شیخ عبدالحق محدث دہلوی (958-1052ھ) اشعۃ اللمعات' جلد 4' صفحہ 373 میں' زرقانی (م

1162ھ) شرح مواہب اللدنیہ' جلد 3' صفحہ 116 میں اسی نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی بعثت ثانیہ کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

یہ تصریحات ہر ملک اور مسلسل ہر زمانے کے ممتاز علماء' فقہاء' محدثین اور مفسرین کر چکے ہیں۔ ان کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں تاریخ اسلام کی پہلی صدی سے لے کر تیرہویں صدی ہجری تک ہر دور کی نمایاں شخصیات موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی خاتم النبیین کے یہی معانی اپنی متعدد احادیث میں واضح فرمائے ہیں۔ ان میں سے کچھ احادیث کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:

(1) "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی و سیکون خلفاء"

"نبی ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی رہنمائی انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہوتا ایک اور نبی اس کا جانشین ہوتا۔ خبردار میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ خلفاء ہوں گے۔"

(بخاری' کتاب الانبیاء' جلد 2' صفحہ 257' طبع دار المعرفہ' بیروت' لبنان)

(2) "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنتہ من زاویتہ فجعل الناس یطوفون بہ یعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذا ماللبنتہ فانا اللبنتہ وانا خاتم النبیین"

"نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا اور اسے بہت خوبصورت اور عمدہ بنا دیا لیکن ایک کونے میں ایک خشت کی جگہ رہنے دی۔ لوگ اس گھر کے گرد چکر لگاتے اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے اور کہتے یہ خشت کیوں نہیں لگائی گئی' پس میں ہی یہ خشت ہوں اور میں آخری نبی ہوں۔"

(سو اس طرح میری بعثت سے قصرِ نبوت مکمل ہو گیا ہے اور اب اس میں مزید کسی نبی کی کوئی گنجائش نہیں)۔ (بخاری' کتاب المناقب' جلد 2' صفحہ 270' طبع دار المعرفہ' بیروت)

اسی موضوع پر چار روایات صحیح مسلم (کتاب الفضائل) میں مروی ہیں' جن میں مذکورہ بالا الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے۔

"فجئت فختمت الانبیاء" پس میں نے آ کر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔ نیز انہی الفاظ میں یہ حدیث جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب فضائل النبی میں موجود ہے۔

مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث بروایت جابر بن عبداللہ مروی ہے اور اس کے آخری الفاظ یوں ہیں "ختم بی النبیون" مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔"

اسی موضوع پر کئی روایات مسند احمد میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ ابی بن کعبؓ، ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے مروی ہیں:

(3) " ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فضلت على الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم و نصرت بالرعب واحلت لى الغنائم وجعلت لى الارض مسجداً وطهوراً وارسلت الى الخلق كافة وختم بى النبيون."

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے دوسرے انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔(1) مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں اور (2) (دشمنوں کے دلوں میں) میرا خوف طاری کیا گیا ہے اور (3) میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور (4) زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی اور (5) مجھے تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور (6) مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔"

(صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 249، طبع دار الکتب، بیروت)

(4) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى ولا نبى."

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہیں، اس لیے میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔"

(ترمذی، جلد 2، صفحہ 53، طبع ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی)

(5) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا محمد وانا احمد وانا الماحى الذى محى الله بى الكفر وانا الحاشر الذى يحشر الناس على عقبى وانا العاقب والعاقب الذى ليس بعده نبى."

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں وہ ماحی (مٹا دینے والا) ہوں جس کے ذریعے کفر مٹا دیا

جائے گا اور میں وہ حاشر ہوں جس کے پیچھے لوگ اکٹھے ہوں گے (میدان حشر میں) اور میں وہ عاقب (آخری) ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

(صحیح مسلم' جلد 2' صفحہ 261' طبع دہلی)

(6) "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله لم یبعث نبیا الا حذر امته الدجال وانا اخر الانبیاء وانتم اخر الامم وهوا الخارج فیکم لا محالة."

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو اور وہ لازماً تمہارے اندر نکلے گا۔"

(ابن ماجہ' جلد 2' صفحہ 178)

(7) "عن عبدالرحمن بن جبیر قال سمعت عبدالله بن عمرو بن العاص یقول خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما کالمودع فقال انا محمد النبی الامی ثلاثا ولا نبی بعدی."

"عبدالرحمٰن بن جبیر سے روایت ہے کہ اس نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ اس طرح ہمارے پاس آئے جیسے گویا وہ الوداع کرنے والے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا میں ہی محمد نبی امی ہوں' تین مرتبہ' اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (مسند احمد' روایات عبداللہ بن عمرو بن العاص)

(8) "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا نبوة بعدی الا المبشرات قیل وما المبشرات یا رسول الله قال الرویا الحسنة او قال الرویا الصالحة."

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کوئی نبوت نہیں مگر مبشرات ہیں۔ عرض کیا گیا' اے اللہ کے رسول' مبشرات کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اچھے خواب یا فرمایا نیک خواب۔" (یہ اس لیے کہ اب وحی الٰہی کا کوئی امکان نہیں۔ زیادہ سے زیادہ کسی شخص کو سچے خواب میں القاء ہی ہوسکتا ہے) (ابوداؤد' جلد 2' صفحہ 316)

(9) "قال النبی صلی الله علیه وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب."

"نبی ﷺ نے فرمایا' اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا۔"

(ترمذی' جلد 2' صفحہ 209' طبع ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی)

(10) "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الاانہ لا نبی بعدی."

''اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰؑ کے لیے تھا البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم، جلد 2، طبع دہلی، صفحہ 278)

بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو غزوۂ تبوک کے ضمن میں ذکر کیا ہے، جبکہ یہی مضمون مسند احمد میں بروایت سعد بن ابی وقاص دو حدیثوں میں مذکور ہے، جن میں سے ایک روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں: ''لیکن میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔'' اس واقعہ کے بارے میں ابوداؤد طیالسی، امام احمد اور محمد بن اسحاق کی روایت کردہ مفصل احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لیے روانگی کے وقت حضرت علیؓ کو مدینہ کی نگرانی اور دفاع کے لیے پیچھے چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر منافقین نے ان کے خلاف نازیبا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے پیچھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ رہے ہیں؟'' اس پر حضورؐ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا ''تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے۔'' یعنی جیسے اللہ کے نبی حضرت موسیٰؑ کوہ طور کو روانہ ہوتے وقت ہارون نبی کو بنی اسرائیل کی نگہداشت کے لیے پیچھے چھوڑ گئے تھے، اسی طرح آپؐ انہیں مدینہ کے دفاع کی غرض سے پیچھے چھوڑ رہے ہیں لیکن اس خدشے کے پیش نظر کہ حضرت علیؓ کا ایک پیغمبر سے موازنہ بعد میں کسی شر کا باعث بن سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فوراً یہ استثناء کر دیا کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

(11) "عن ثوبان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی."

''ثوبان سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا...... اور بے شک میری امت میں تیس کذاب ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے۔ خبردار! میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (ابوداؤد، جلد 2، صفحہ 202)

ابوداؤد نے اس موضوع پر ایک اور روایت حضرت ابوہریرہؓ سے کتاب الملاحم میں بیان کی ہے۔ ترمذی نے بھی ان دونوں احادیث کو اسی سند سے اور ثوبان سے بیان کیا ہے۔ دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں: ''تیس کذاب ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔''

(12) "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن من امتی احد لکان عمر."

"نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جن سے (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) کلام ہوتا تھا لیکن وہ نبی نہیں ہوتے تھے، پس اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔"

(بخاری، کتاب المناقب، جلد 2، صفحہ 282، طبع دارالمعرفہ، بیروت)

اس مضمون کی ایک روایت صحیح مسلم میں بھی مروی ہے۔ اس میں یکلمون کی جگہ محدث کا لفظ مذکور ہے، تاہم دونوں کا معنی "وہ جن سے اللہ تعالیٰ یا کوئی غیر مرئی ہم کلام ہو۔"

(13) "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نبی بعدی ولا اُمۃ بعد امتی."

"اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد (کسی اور نبی کی) کوئی امت نہیں۔"

(بیہقی، جلد 5، صفحہ 197)

(14) "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانی اخر الانبیاء وان مسجدی اخر المساجد."

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد (کسی نبی کی) آخری مسجد ہے۔" (مدینہ میں مسجد نبوی کی جانب اشارہ ہے) (صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 202)

(15) "عن عرباض بن ساریۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا خاتم النبیین وان ادم فی طینۃ."

"عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں آخری نبی تھا جبکہ آدم ابھی گارے میں تھے۔" (ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے)

(مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 418، طبع حیدر آباد دکن)

(16) "بابی انت وامی (یا رسول اللہ ﷺ) لقد انقطع بموتک ما لم ینقطع بموت غیرک من النبوۃ والانباء و اخبار السماء."

"مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں۔ آپ کی موت نے وہ چیز ختم کر دی ہے جو آپ کے سوا کسی دوسرے کی موت سے ختم نہ ہوئی یعنی نبوت، غیبی خبریں

اور آسمان کی وحی۔"

(نہج البلاغہ جلد 2 صفحہ 255 طبع مصر)

(17) عن ابی جعفر و ابی عبداللہ علیہما السلام...... "لقد ختم اللہ بکتابکم الکتب و ختم بنبیکم الانبیاء."

ابو جعفر اور ابو عبداللہ علیہما السلام نے کہا: "تحقیق اللہ نے تمہاری کتاب (قرآن کریم) پر الہامی کتابوں کو ختم کر دیا اور تمہارے نبی (حضرت محمد ﷺ) پر سلسلۂ انبیاء کو ختم کر دیا۔"

(اصول الکافی جلد اول صفحہ 163 طبع نول کشور)

ان احادیث کو محدثین کی بڑی تعداد نے متعدد اور بہت قوی اسناد کے ساتھ صحابہ کرام کی عظیم تعداد سے روایت کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے اور مختلف الفاظ میں قطعی اعلان فرما دیا تھا کہ وہ آخری نبی ہیں اور یہ کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ کہ نبوت ان پر ختم ہو چکی ہے اور یہ کہ ان کے بعد نبوت یا رسالت کے مدعی کذّاب ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ "خاتم النبیین" کی اس سے زیادہ مستند معتبر اور فیصلہ کن اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بذات خود معتبر اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔ لیکن جب اس سے قرآن کریم کے متن کی توضیح و تشریح ہوتی ہو تو وہ بالکل قطعی اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بڑھ کر اور کون قرآن کریم کے فہم و تعبیر کا اہل ہوگا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص ختمِ نبوت کے مختلف معنی پیش کرتا ہے تو وہ کیونکر کسی بھی قسم کی توجہ یا التفات کا سزاوار ہوگا؟ چہ جائیکہ اسے ماننے اور اس کی پیروی کرنے کا مستحق سمجھا جائے۔

یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے تاہم میں ابن تیمیہ کی "الایمان" سے یہ اقتباس پیش کرتا ہوں:

و مما ینبغی ان یعلم ان الالفاظ الموجودة فی القرآن والحدیث اذا عرف تفسیر ھا و ما ارید بھا من جھة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحتج فی ذلک الی الاستدلال باقوال اھل اللغة ولا غیر ھم.

"یہ جان لینا چاہئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی جانب سے قرآن اور سنت کے الفاظ کی تشریح معلوم ہو جائے تو ایسی صورت میں ماہرین لغت یا ان کے علاوہ دوسروں کے اقوال کی ضرورت نہیں ہوتی۔" (الایمان از امام

ابن تیمیہؒ صفحہ 271)

ختم نبوت اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے' علامہ ابن نجیم (الاشباہ والنظائر' کتاب السیر' باب الردۃ' صفحہ 179 میں) لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص ختم نبوت کے عقیدے کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ مسلمان نہیں ہے' کیونکہ یہ ایمان کا ایسا بنیادی جزو ہے جسے جاننا اور تسلیم کرنا لازمی ہے۔

غزالی (450 - 505ھ)' قاضی عیاض (م544ھ) علامہ شہرستانی (م548ھ) ابن کثیر (م774ھ)' ملا علی قاری (م1016ھ) شیخ اسماعیل حقی (م1137ھ) شوکانی (م1255ھ) اور فتاویٰ عالمگیری کی یہ آراء پہلے ہی گزر چکی ہیں کہ جو آدمی ختم نبوت کا عقیدہ نہیں رکھتا یا نبی ہونے کا دعویدار ہے یا ایسے شخص کی پیروی کرتا ہے تو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ ذیل میں امام ابو حنیفہؒ کا فیصلہ بھی درج کیا جاتا ہے:

ایک آدمی نے امام ابو حنیفہؒ (80 - 150ھ) کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا ''آپ مجھے اپنی نبوت کا ثبوت پیش کرنے کا موقع دیں۔'' امام صاحب نے فرمایا ''جو شخص اس سے اس کی نبوت کا ثبوت طلب کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

(مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ' ابی احمد المکی' جزء اول' صفحہ 161' طبع حیدر آباد)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی ایک صریح اور عام آیت کی تاویل اور تخصیص کر کے اس کی تکذیب کرتا ہے تو وہ اس شخص کے برابر ہے جو نفس آیت کو جھٹلا دیتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کا عقیدہ مسلمانوں کے ایمان کا جزو اور دین کا بنیادی اصول ہے۔ معروف علماء کے یہ فیصلے' دوسروں کے علاوہ اس مدعی نبوت اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں شریعت کے صحیح موقف کا اظہار کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں خاتم النبیین کی آیت اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت کذاب ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہو گا کہ کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر اعتراض کیا کہ خاتم کا معنی آخری نہیں ہوتا بلکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کو خاتم الشعراء یا خاتم المفسرین کہا جائے۔ ان کلمات کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ ایسے شخص کے بعد کوئی اور شاعر یا فقیہ یا مفسر پیدا نہیں ہو گا بلکہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس خاص شعبہ علم میں اس شخص کو

ممتاز مقام حاصل ہے۔ لیکن یہ ایک مغالطہ آمیز دلیل ہے۔ ایسے لقب کا بطور مبالغہ استعمال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم صرف ''کامل اور ممتاز'' کے معنی میں مستعمل ہے ''آخری'' کے لیے نہیں۔ ایسا کوئی قاعدہ نہیں کہ کسی لفظ کے بعض اوقات مجازی معنی میں استعمال ہو جانے سے وہ اپنے حقیقی معنی کھو دے گا۔ اگر کوئی کسی عرب باشندے سے کہے ''وجاء خاتم القوم'' تو وہ یہ ہرگز نہیں سمجھے گا کہ قبیلے کا ممتاز ترین فرد آیا ہے' بلکہ وہ یہ سمجھے گا کہ قبیلے کا آخری فرد آ گیا ہے۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ چند اشخاص کو دیے ہوئے خاتم الشعراء یا خاتم الفقہاء وغیرہ القاب انسانوں کے دیے ہوتے ہیں اور کسی انسان کو یہ کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جس شخص کو اس کے کسی معیار کی بنا پر خاتم قرار دے رہا ہے' اسی معیار کا کوئی اور شخص پیدا نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی لغت میں ان القاب کی' امتیاز کے مبالغہ آمیز اعتراف سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہوتی لیکن جب اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ فلاں اور فلاں معیار کسی خاص شخصیت پر ختم کر دیا گیا ہے تو پھر ایسی کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس سے مجازی مفہوم سمجھیں خصوصاً جبکہ کوئی لغوی ابہام بھی موجود نہ ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ کا کسی شخص کو خاتم النبیین کہنا اور کسی انسان کا دوسرے انسان کو بطور مبالغہ خاتم الشعراء یا خاتم الفقہاء وغیرہ کہنا یکساں قرار نہیں پائیں گے۔

قطعی ختم نبوت کے خلاف ایک دلیل اس حدیث پر مبنی ہے کہ آپؐ کی مسجد آخری مسجد ہے۔ استدلال کیا گیا کہ وہ آخری مسجد نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد دنیا میں بے شمار اور مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔ ''آخری مسجد'' کے الفاظ کمال اور امتیاز کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ دلیل صرف مغالطہ ہے۔ ''آخری مسجد'' سے مراد انبیاء کی آخری مسجد یا ایسی مسجد ہے جو دوسری مساجد کے مقابلے میں خصوصیات کی حامل ہو۔

اس بارے میں امام مسلم نے' حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت میمونہؓ (حضور ﷺ کی بیوی) سے مروی یہ احادیث بیان کی ہیں کہ دنیا میں ایسی تین مساجد موجود ہیں جو دوسری تمام مساجد سے افضل ہیں اور ان میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزاروں گنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ یہ مکہ کی مسجد الحرام' یروشلم (بیت المقدس) کی مسجد الاقصیٰ اور مدینہ کی مسجد نبوی ہیں۔ اس لیے ان تین مساجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے ان کا سفر کرنا جائز ہے۔ یہ خصوصیت کسی اور مسجد کو حاصل نہیں۔ دوسری تمام مساجد' خواہ دور ہوں یا نزدیک' کا مرتبہ اور ثواب یکساں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ چونکہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اس لیے دنیا میں کوئی ایسی چوتھی مسجد تعمیر نہیں ہوگی جس میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہو اور جس میں نماز ادا کرنے کی نیت سے خصوصی سفر کا اہتمام کرنے کی اجازت ہو۔

ختم نبوت کی قطعیت کے اصول کے خلاف حضرت عائشہؓ کا ایک قول پیش کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے ''یہ کہو کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں لیکن یہ مت کہو کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مستند حدیث کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا'' کی مخالفت میں حضرت عائشہؓ کا قول پیش کرنا انتہائی ناموزوں ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب یہ روایت خود معتبر نہیں۔ کسی قابلِ ذکر محدّث نے اسے کسی معتبر کتاب میں روایت نہیں کیا۔ یہ صرف درمنثور' جو قرآن کریم کی تفسیر ہے' اور تکملہ مجمع البحار' جو حدیث کی ڈکشنری ہے' میں مذکور ہے لیکن سند کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ ناقابلِ اعتماد ہے اور کسی بھی معروف عالم نے اسے لائق التفات نہیں سمجھا۔

ایک اور قابلِ توجہ روایت جو ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے' یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کے بارے میں فرمایا: ''لو عاش ابراهيم لكان صديقا نبيا.'' ''اگر ابراہیم زندہ رہتا تو وہ صدیق نبی ہوتا۔''

جیسا کہ الموضوعات الکبریٰ صفحہ 58 میں مذکور ہے' امام نووی نے اس روایت کو باطل اور مردود قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں ابوشیبہ نامی شخص ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے اسے حدیث میں ناقابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ امام نسائی نے اسے حدیث میں ضعیف کہا ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ اس کے قول کا کوئی وزن نہیں ہے۔ امام ابوحاتم نے اسے حدیث میں ناقابل اعتماد کہا ہے۔

(تہذیب التہذیب' جلد 1' صفحات 144 - 145)

مسلمانوں کے ہاں حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کے عقیدے کے بیان کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی تاریخ اور ارتقاء کو بیان کیا جائے۔

مرزا صاحب 1839ء یا 1840ء میں موضع قادیان ضلع گورداسپور' پنجاب کے اس حصے میں' جو اب بھارت میں واقع ہے' پیدا ہوئے تھے۔ یہ مرزا صاحب کی اپنی تحریروں کے مطابق ہے۔ لیکن بعد میں ان کے خاندان کے افراد میں ان کے سالِ ولادت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد جو ان کے سوانح نگار اور سیرت المہدی کے مصنف ہیں' کے پہلے نظریے کے مطابق سال ولادت 1836ء یا 1837ء ہو سکتا ہے۔ (سیرت المہدی' جلد 2' صفحہ 150 روایت نمبر 467)۔ نظر ثانی کے بعد انہوں نے تاریخ ولادت 13 فروری 1835ء مقرر کی (سیرت المہدی' جلد 3' صفحہ 76 روایت نمبر 513)۔ ایک تخمینے کے مطابق سال ولادت 1831ء ہو سکتا ہے (ایضاً' 74 روایت نمبر 513)۔ معراج دین نے تاریخ ولادت 17 فروری

1832ء مقرر کی ہے۔(ایضاً' صفحہ 302 روایت نمبر 965)۔ جبکہ دیگر 1833ء یا 1834ء کو سال ولادت قرار دیتے ہیں (ایضاً' ص 194 روایت 763)۔

مرزا بشیر احمد اور اُن دوسرے لوگوں کی' جو مرزا صاحب کو ایسا نبی مانتے ہیں جسے اللہ کی طرف سے خدائی علم عطا ہوا تھا (اور اسی لیے انہیں اپنے سال ولادت کے بارے میں غلطی نہیں کرنی چاہیے تھی) ان متناقض آراء کی وجہ معلوم کرنا کچھ بعید نہیں۔ مرزا صاحب اپنی وفات کے وقت تقریباً انہتر سال کی عمر میں تھے (1839ء میں پیدا ہوئے اور 1908ء میں انتقال ہوا)۔ کہا جاتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے ایک صوفی نعمت اللہ ولی نے اپنی ایک مسلسل نظم میں مسلمانوں کے اندر رونما ہونے والے مستقبل کے واقعات کی پیشگوئیاں کی ہیں اور تیرہویں صدی ہجری کے اختتام اور چودھویں صدی کے آغاز پر کسی ایسے شخص کی آمد کی پیشگوئی کی ہے جو شریعت کی تجدید کرے گا۔ مرزا صاحب نے اس نظم کو اپنے اوپر منطبق کیا۔ ایک شعر میں پیشگوئی کی گئی تھی کہ وہ شخص اپنے ظہور یعنی خدائی انتخاب کی خلعت سے سرفرازی سے چالیس سال بعد تک زندہ رہے گا۔ مرزا صاحب نے اس شعر کے مفہوم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ اس منصب پر چالیس (40) سال کی عمر میں فائز ہوئے تھے اور اسی (80) سال یا اس کے قریب کی عمر تک زندگی پائیں گے (نشانِ آسمانی' صفحہ 15 روحانی خزائن ج 4 ص 374) پھر انہوں نے ایک خدائی الہام کے نزول کا دعویٰ کیا:

''اطال اللہ بقاء ک' اسی پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم۔'' (تذکرہ ص 500' طبع 3)

یوں اس الہام کے مطابق انہیں پچھتر یا پچاسی سال کی عمر کے درمیان کسی وقت فوت ہونا تھا۔ ان کی عمر کو زیادہ ثابت کرنے اور ان کے عرصۂ حیات کو پچھتر سال کے قریب ترلانے کی مساعی سے مقصود اس پیشگوئی اور الہام کی صحت وصداقت کو ثابت کرنا ہے۔

پیشگوئی کی تکمیل کو منوانے کی تمنا کا انکشاف قادیانیت کے ایک مبلغ مولوی عبدالرحیم درد ایم۔اے کے ایک خط سے ہوتا ہے جو اس نے سیرت المہدی کے مولف مرزا بشیر احمد کو مرزا صاحب کی عمر کی بابت ان کی تحقیق کو سراہتے ہوئے لکھا تھا۔ اس نے ان پر زور دیا کہ اس مسئلے کو قطعی طور پر حل کر دیا جائے تا کہ سال ولادت 1836ء اور 1837ء کے مابین طے کر دیا جائے۔ اسی یا اس کے قریب کے الہامات جن کا اعادہ اربعین 3' صفحہ 32 روحانی خزائن ج 17 ص 422' (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ' صفحہ 29' روحانی

خزائن ج 17 ص 69 ازالہ اوہام' صفحات 634 تا 638 روحانی خزائن ج 3 ص 443) میں کیا گیا ہے' کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ

"مرزا صاحب نے ان الہامات کا مفہوم یوں بیان کیا تھا:

"جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو 74 اور 82 کے اندر اندر عمر کی تعین کرتے ہیں۔"

پس اگر آپ کی عمر شمسی یا قمری حساب سے اس کے اندر اندر ثابت ہو جائے تو الہامات پورے ہو جاتے ہیں یعنی اگر آپ کی پیدائش 1836ء و 1822ء کے اندر ثابت ہو جائے تو کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔" (سیرۃ المہدی' جلد 3' صفحہ 187 - 188 نمبر 763) اسی دلیل کا انکشاف سیرت المہدی' جلد 3' صفحہ 76 روایت نمبر 513 پر بھی کیا گیا ہے۔

مرزا بشیر احمد نے تاریخ ولادت 13 فروری 1835ء طے کرنے کے بعد ہجری کیلنڈر کے مطابق مرزا صاحب کی عمر پچھتر سال سے زیادہ نکالی ہے۔

مرزا صاحب ایک ایسے زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے تھے جو اگرچہ ماضی میں متمول اور خوشحال تھا لیکن ان کی پیدائش کے وقت سخت مالی مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ ان کے والد غلام مرتضیٰ نے 1857ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے اپنی وفاداری کا مظاہرہ کیا تھا اور جنگ آزادی کے مجاہدین جنہیں حکومت وقت باغی قرار دیتی تھی' کو کچلنے میں مدد دینے کی خاطر برطانوی فوج کو پچاس گھوڑے اور پچاس رنگروٹ فراہم کیے تھے۔ اس کے صلے میں انہیں حکومت کے ہاں کچھ عزت حاصل تھی۔ اس لیے برطانوی حکومت کی مدح وستائش کا رجحان مرزا صاحب کے اندر بچپن سے موت تک پختہ رہا۔ وہ اپنی متعدد کتابوں اور رسالوں میں برطانوی حکومت سے اپنے والد کی وفاداری اور گورنر کے دربار میں ایک نشست کا اعزاز پانے کا تذکرہ بڑے فخر سے پیش کرتے اور دہراتے ہیں اور اپنی تحریروں میں مذکورہ حکومت سے خود اپنی لازوال وفاداری کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

مرزا صاحب نے چند اساتذہ سے کچھ دینی تعلیم پائی تھی۔ خاندان کی مالی حالت کی وجہ سے انہیں پندرہ روپے ماہانہ کی قلیل تنخواہ پر سیالکوٹ کی عدالتوں میں کلرک کی اسامی پر ملازمت کرنا پڑی جو 1864ء سے 1868ء تک جاری رہی۔ بعدازاں انہوں نے ملازمت سے استعفا دے دیا اور خاندانی جائداد کی بحالی کی خاطر مقدمہ بازی اور مذہبی لٹریچر کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ تقریباً پینتیس سال کے ہوئے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ (کتاب البریہ' صفحہ 142 تا 149 روحانی خزائن ج 3 حاشیہ ص 177 تا 192)۔ گزشتہ صدی کے ساتویں عشرے کے اختتام پر انہوں نے عیسائیت' آریہ سماج اور براہمو سماج کے

خلاف کچھ مضامین تحریر کرنا شروع کیے اوران مذاہب کے عالموں اور پیروکاروں کے ساتھ مباحثے اور مناظرے کیئے۔اس طرح مسلمان علماء اور پڑھے لکھے طبقے میں ان کا تعارف ہوا‘ اوران حلقوں میں انہیں کچھ مقبولیت حاصل ہوگئی۔

1879ء میں انہوں نے ایک پمفلٹ میں عیسائیت اور ہندومت پر اسلام کی برتری کے ثبوت پر ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ مشتہر کیا‘ جو تین سو دلائل پر مشتمل ہوگی۔اپنے پاس طباعت کی رقم نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے عطیات‘ چندے یا کتاب کی پیشگی قیمت بھیجیں۔انہوں نے حقیقۃ الوحی‘ صفحہ 337 روحانی خزائن ج 22 ص 350 پر لکھا ہے کہ جب انہوں نے اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ تالیف کی تو اسے چھپوانے کے لیے ان کے پاس رقم نہ تھی۔انہوں نے اللہ سے التجا کی اور ایک الہام کے نزول کا دعویٰ کیا‘ جس کے مطابق انہوں نے خطوط لکھے اور مختلف ذرائع سے رقم حاصل کی۔کتاب کی قیمت پہلے دوسروں کے لیے 25 روپے اور مسلمانوں کے لیے 10 روپے مقرر کی گئی (دیکھئے براہین احمدیہ‘ جلد 3‘ طبع 1970ء ٹائٹل پیج کی پشت پر روحانی خزائن ج 1 ص 134)۔پہلی دو جلدوں کی طباعت کے بعد اس کی قیمت دوسروں کے لیے 100 روپے اور مسلمانوں کے لیے 10 روپے یا 15 روپے رکھی گئی تھی۔(براہین احمدیہ‘ صفحہ 67 روحانی خزائن ج 1 ص 136)۔ لوگوں کی کافی تعداد نے کتاب کی قیمت پیشگی ادا کردی‘ لیکن 1884ء تک چار سالوں میں کتاب کی صرف چار جلدیں طبع ہو سکیں۔پانچویں جلد 1905ء میں چھپی۔چوتھی اور پانچویں جلد کی طباعت کے مابین دو عشروں سے زیادہ مدت میں مرزا صاحب نے تقریباً اسی (80) کتابیں تالیف کیں‘ تاہم وہ پوری کتاب کی قیمت ادا کرنے والوں کے احتجاج اور کئی لوگوں کی مخالفانہ تنقید کے باوجود پانچویں جلد مکمل نہ کرسکے۔(براہین احمدیہ‘ جلد 5‘ صفحہ 1 روحانی خزائن ج 21 ص 2)۔کتاب کی پہلی جلد صرف 82 صفحات پر مشتمل تھی (جو 1970ء کے ایڈیشن میں مختصر ہوکر صرف 25 صفحات رہ گئی ہے)۔یہ 1880ء میں چھپی تھی اور کتاب کی ضرورت کے مبادیات‘ عطیات دہندگان کی فہرست‘ چند نظموں اور ایک پمفلٹ جس میں ایسے شخص کو جو اپنے مذہب کی الہامی کتابوں سے خواہ دلائل کا پانچواں حصہ ہی غلط ثابت کردکھائے 10,000 روپے کی انعامی رقم دینے کا وعدہ کیا گیا ہے‘ پر مشتمل ہے۔دوسری جلد جو 55 صفحات (نئے ایڈیشن میں 40 صفحات) کے صرف مقدمے پر مشتمل ہے‘ بھی 1880ء میں طبع ہوئی تھی۔جلد سوم جو 143 صفحات (نئے ایڈیشن میں 100 صفحات) پر مشتمل ہے‘ 1882ء میں چھپی تھی جبکہ جلد چہارم جو 282 صفحات (نئے ایڈیشن میں 191 صفحات) پر مشتمل ہے‘ 1884ء میں چھپی تھی۔(دیکھئے سیرت المہدیٰ جلد 2‘ صفحہ 151 تواریخ طباعت کے لیے)۔کتاب کی جلد پنجم (صفحہ 1) سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً مرزا صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ اسے پچاس جلدوں میں

چھپوایا جائے اور چندہ دینے والوں کی ایک بڑی تعداد سے کتاب کی پیشگی قیمت وصول کر لی گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اعلان کر دیا کہ چونکہ 5 اور 50 کے ہندسوں میں صرف ایک صفر کا فرق ہے' اس لیے جلد پنجم کی طباعت کے ساتھ ہی ان کا وعدہ پورا ہو گیا ہے۔

(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم دیباچہ ص 7 مندرجہ روحانی خزائن جلد 21 ص 9 از مرزا قادیانی)

کتاب کی طباعت سے کافی عرصہ پہلے اس کے تشہیری پمفلٹوں کے جواب میں مسلمانوں کے موافق ردعمل کے باوجود مرزا صاحب نے متمول مسلمانوں کی شکایت کرنے اور ان پر بے اعتنائی اختیار کرنے کے الزامات لگانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ عطیات کی صرف دو مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔ صرف ایک شخص کی طرف سے پانچ ہزار روپے جو موجودہ وقت میں کئی لاکھ کے مساوی ہوتے ہیں' پیش کیے گئے' جبکہ ایک دوسرے شخص نے پانچ سو روپے کی رقم دو قسطوں میں پیش کی۔

(دیکھیے عرض ناشر' براہین احمدیہ' جلد اول' صفحہ 5' روحانی خزائن ج 1 ص 2 تا 12)

مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہیں تین لاکھ سے زیادہ الہامات ہوئے' ان میں سے پچاس ہزار مالی امور سے متعلق ہیں۔ یعنی آیا اور کب مال حاصل کیا جائے۔ اس دعوے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں مالی امور ہر چیز سے بلند تھے۔

براہین احمدیہ جس میں تین سو دلائل کا وعدہ کیا گیا تھا' کا مرکزی موضوع خدائی الہامات یا وحی ہیں جو بقول مرزا صاحب' نبی پاک کے ان متبعین میں ہمیشہ جاری رہتے ہیں جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ مقصد جس کی خاطر کتاب کی طباعت کا وعدہ کیا گیا' پورا ہوا یا نہیں تاہم جو واحد مقصد پیش نظر تھا اور اس کا کوئی وعدہ نہ تھا' خوب پورا ہوا۔ جلد سوم اور چہارم کا مرکزی نقطہ مرزا صاحب کے وہ مزعومہ الہامات اور خیالات ہیں جو ان کے آگے جا کر مسیح موعود' مہدی موعود اور نبی ہونے کے دعووں کی بنیاد بنے تھے۔ تاہم مامور من اللہ (اللہ کی جانب سے مامور) ہونے کا اساسی دعویٰ کتاب کی جلد سوم میں کیا گیا تھا۔ (سیرت المہدی' جلد 2' صفحہ 151) جبکہ جلد چہارم میں انہوں نے مجددیت کی نشانی ملنے کا دعویٰ کیا۔

(براہین' صفحہ 502 اور 503' روحانی خزائن ج 1 ص 597' 598 حیاتِ طیبہ از عبدالقادر صفحہ 69' سیرت المہدی' جلد 2' صفحہ 151)

اس طرح کتاب کو عوام کے اخراجات سے چھپوانے کا حقیقی مقصد اپنی ذات کی تشہیر' اپنے مزعومہ الہامات کا اعلان اور اپنے ان خیالات کی اشاعت جو آخرالامر انہیں نبوت کا دعویٰ کرنے میں مدد دے سکیں' کے سوا کچھ نہ نکلا۔ اس آخری نکتے کی صحت کے ثبوت کے لیے براہین احمدیہ سے چند اقتباسات دیے جاتے ہیں:

(1) اور یہ بھی ان کو معلوم رہے کہ تحقیقی الہام ربانی کے لیے کہ جو خاص خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے ایک اور راستہ بھی کھلا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ امت محمدیہ میں کہ جو سچے دین پر ثابت اور قائم ہیں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کرتا ہے کہ جو خدا کی طرف سے ملہم ہو کر ایسے امور غیبیہ بتلاتے ہیں جن کا بتلانا بجز خدائے واحد لاشریک کے کسی کے اختیار میں نہیں۔ اور خداوند تعالیٰ اس پاک الہام کو انہیں ایمانداروں کو عطا کرتا ہے کہ جو سچے دل سے قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتے ہیں اور صدق اور اخلاص سے اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کو خدا کا سچا اور کامل اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہیں۔ (صفحہ 215 روحانی خزائن ج1 ص حاشیہ 238)

(2) اور گو وحی بجہت عدم ضرورت سے منقطع ہے لیکن یہ الہام کہ جو آنحضرت ﷺ کے با اخلاص خادموں کو ہوتا ہے یہ کسی زمانہ میں منقطع نہیں ہوگا۔ اور یہ الہام وحی رسالت پر ایک عظیم الشان نبوت ہے۔ (صفحہ 215 روحانی خزائن ج1 ص حاشیہ 238)

(3) پھر نہ معلوم مولوی صاحب نے کہاں اور کس سے سن لیا کہ لفظ الہام کے وہی معنی کرنے چاہئیں جو کتب لغت میں مندرج ہیں جبکہ سوادِ اعظم علماء الہام کو وحی کا مترادف قرار دینے میں متفق ہیں۔ (صفحہ 221 روحانی خزائن ج1 ص حاشیہ 224)

(4) مگر مناسب ہے کہ اس قدر ضرور ظاہر کردیں کہ ہم میں اور دوسری تمام جماعت مسلمانوں میں نزاع لفظی ہے۔ جن اعلامات الٰہیہ کا نام ہم وحی رکھتے ہیں انہیں کو علماء اسلام اپنے عرف میں الہام بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔

(5) انہیں معنوں میں تو علماء وارث الانبیاء کہلاتے ہیں اور اگر باطنی علم کا ورثہ ان کو نہیں مل سکتا تو پھر وہ وارث کیونکر اور کیسے ہوئے۔ (صفحہ 231 روحانی خزائن ج1 ص حاشیہ 256)

(6) کیا آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں کہ اس امت میں محدّث ہوں گے۔ (صفحہ 231 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 256)

(7) ان ضلالتوں کا نہایت پُرزور ہونا اور زمانہ کا نہایت فاسد ہونا اور منکروں کا نہایت مکار ہونا اور غافلوں کا نہایت خوابیدہ ہونا اور مخالفوں کا اشد فی الکفر ہونا اس بات کے لیے بہت ہی تقاضا کرتا ہے کہ ایسے شخص کا علم لدنی مشابہ بالرسل ہو اور یہی لوگ ہیں جن کا نام احادیث میں امثل اور قرآن شریف میں صدیق آیا ہے۔ (صفحہ 233 روحانی خزائن ج1 ص حاشیہ 257)

(8) اوران لوگوں کا زمانہ ظہور پیغمبروں کے زمانہ بعث سے بہت ہی مشابہ ہوتا ہے یعنی جیسے پیغمبر اس وقت آتے رہے کہ جب دنیا میں سخت درجے پر گمراہی اور غفلت پھیلتی رہی' ایسا ہی یہ لوگ بھی اس وقت آتے ہیں کہ جب ہر طرف گمراہی کا سخت غلبہ ہوتا ہے اور حق سے ہنسی کی جاتی ہے۔(صفحہ 233 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 258)

(9) یا احمد بارک اللہ فیک۔ (صفحہ 238 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 265)۔

- ای اول نـائب الی اللہ بامر اللہ فی ھذا الزمان قل جاء الحق و زھق الباطل...... قل ان افتریتہ فعلی اجرامی ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی (صفحہ 239 روحانی خزائن 1 ص حاشیہ 265)
- یا احمد فاصنت الرحمۃ علی شفیتک انک باعیننا برفع اللہ ذکرک. (صفحہ 241 روحانی خزائن ج 1 ص 267)
- یـا ایھـا الـمدثر قم فانذر و ربک فکبر...... انی رافعک الی و القیت علیک محبۃ منی (صفحہ 242 روحانی خزائن ج 1 ص 267)

ترجمہ

- اے احمد اللہ تجھ میں برکت دے۔
- تو اللہ کے حکم سے اس زمانے میں اللہ کا پہلا نائب ہے۔تو کہہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔تو کہہ اگر میں نے اسے جھوٹ بنالیا ہے تو میرا جرم مجھ ہی پر ہے' وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا۔
- اے احمد تیرے ہونٹوں پر رحمت جاری ہوگئی ہے۔بے شک تو ہماری نگاہوں میں ہے۔اللہ تیرا ذکر بلند کرے گا۔
- اے مدثر اٹھ پس ڈرا اور اپنے رب ہی کی بڑائی بیان کر۔میں تجھے اپنے پاس اٹھاؤں گا اور تجھ پر میں نے اپنی محبت ڈال دی ہے۔

(10) اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہئے کہ کیونکر ایک ادنیٰ امتی آں رسول مقبول کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک ہو سکے۔بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ کے کمالاتِ قدسیہ سے شریک مساوی نہیں ہوسکتا۔بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔مگر اے طالب علم ارشدک اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول کی

برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں' اس طرح اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت ﷺ کی متابعت اختیار کرتے ہیں...... اپنے رسولِ مقبولؐ کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ منجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں' حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع سنن آں سرور کائنات کا اپنے غایت اتباع کے جہت سے اس شخص نورانی کے لیے جو وجود باجود حضرت نبوی ہے مثل ظل ٹھہر جاتا ہے۔ اس لیے جو کچھ اس شخص مقدس میں انوار الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہیں اس کے اس ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں اور سایہ میں اس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا کہ جو اس کے اصل میں ہے ایک ایسا امر ہے کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔

(صفحہ 243' 244 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 268-269 نیز دیکھئے صفحہ 301)

(11) **یا ادم اسکن انت وزوجک الجنة یا مریم اسکن انت وزوجک الجنة یا احمد اسکن انت وزوجک الجنة نفخت فیک من لدنی روح الصدق.** (صفحہ 496 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 590' 591)

جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یوں کیا ہے:

"اے آدم اے مریم اے احمد تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت میں یعنی نجات حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے سچائی کی روح تجھ میں پھونک دی ہے (پھر وضاحت کرتے ہیں کہ) اس آیت میں بھی روحانی آدم کا وجہ تسمیہ بیان کیا گیا یعنی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بلاتوسط اسباب (ماں باپ) ہے ایسا ہی روحانی آدم میں بلاتوسط اسباب ظاہر یہ نفخ روح ہوتا ہے اور یہ نفخ حقیقی طور پر انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے اور پھر بطور تبعیت اور وراثت کے بعض افراد خاصہ امت محمدیہ کو یہ نعمت عطا کی جاتی ہے۔ (صفحہ 497 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 591)

(12) **انا انزلناه قریبا من القادیان. وبالحق انزلناه و بالحق نزل. صدق الله ورسوله وکان امر الله**

مفعولا.

مرزا صاحب نے اس کی توضیح یوں کی ہے:

یعنی ہم نے ان نشانیوں اور عجائبات کو اور نیز اس الہام پر از معارف وحقائق کو قادیان کے قریب اتارا ہے اور ضرورت حقہ کے ساتھ اتارا ہے اور بضرورتِ حقہ اترا ہے۔ خدا اور اس کے رسول نے خبر دی تھی جو اپنے وقت پر پوری ہوئی اور جو کچھ خدا نے چاہا تھا' وہ ہونا ہی تھا۔

یہ آخری فقرات اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کے ظہور کے لیے حضرت نبی کریم ﷺ اپنی حدیث متذکرہ بالا میں اشارہ فرما چکے ہیں اور خدائے تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں اشارہ فرما چکا ہے۔ چنانچہ وہ اشارہ حصہ سوم کے الہامات میں درج ہو چکا ہے اور فرقانی اشارہ اس آیت میں ہے:

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله.

یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ کیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور آیات اور انوار کی رُو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں۔ اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا۔ اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ (مرزا صاحب) احمد ہے۔ اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ (مرزا صاحب) محمد ہے ﷺ۔ (یہ ملحوظ رہے کہ مرزا صاحب جب اپنا تذکرہ کرتے ہیں تو ﷺ کے کلمات استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ صرف انبیاء کے لیے مستعمل ہیں) سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے' اس لیے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے یعنی حضرت مسیح پیشگوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے یعنی روحانی طور پر دین اسلام کا غلبہ جو حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ پر موقوف ہے۔ اس

عاجز کے ذریعہ سے مقدر ہے گو اس کی زندگی میں یا بعد وفات ہو۔(صفحہ 498‘499 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 593‘594)

(13) پس خداوند تعالیٰ نے اس احقر عباد کو اس زمانہ میں پیدا کر کے اور صدہا نشان آسمانی اور خوارقِ غیبی اور معارف وحقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ تعلیماتِ حقہ قرآنی کو ہر قوم اور ہر ملک میں شائع اور رائج فرمادے۔(صفحہ 501 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 596)

(14) غرض خداوند کریم نے جو اسباب اور وسائل اشاعت دین کے اور دلائل اور براہین اتمام حجت کے محض اپنے فضل اور کرم سے اس عاجز کو عطا فرمائے ہیں‘ وہ امم سابقہ میں سے آج تک کسی کو عطا نہیں فرمائے۔(صفحہ 502 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 597)

(15) یہ عاجز اس مقام تک لکھ چکا تھا کہ شہاب الدین نامی ایک شخص نے بیان کیا کہ مولوی غلام علی صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالعزیز صاحب اور بعض دوسرے مولوی صاحبان اس قسم کے الہام سے کہ جو رسولوں کی وحی سے مشابہ ہے باصرارِ تمام انکار کر رہے ہیں......ان کے اس بارہ میں حجت یہ ہے کہ اگر یہ الہام حق اور صحیح ہے تو صحابہؓ جناب پیغمبر خدا ﷺ اس کے پانے کے لیے احق اور اولی تھے......اس کی تصدیق کے لیے شیخ عبدالقادر جیلانی اور مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور دوسرے اولیاء اللہ کی کتابیں دیکھنی چاہئیں کہ کس کثرت سے ان کے الہامات پائے جاتے ہیں بلکہ امام ربانی صاحب اپنے مکتوبات کی جلد ثانی میں جو مکتوبِ پنجاہ ویکم ہے‘اس میں صاف لکھتے ہیں کہ غیر نبی بھی مکالمات ومخاطبات حضرت احدیت سے مشرف ہوتا ہے اور ایسا شخص محدث کے نام سے موسوم ہے اور انبیاء کے مرتبہ سے اس کا مرتبہ قریب واقع ہوتا ہے۔(صفحہ 546 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 651‘652)

(16) خدا نے تجھ کو ترک نہیں کیا اور نہ وہ تجھ پر ناراض ہے۔کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھولا۔کیا ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لیے آسانی نہیں کی کہ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص وقصد تعبد وصحت نیت وحسن ایمان داخل ہوگا‘ وہ سوء خاتمہ سے امن میں آجائے گا۔بیت الفکر سے مراد اس جگہ وہ چوبارہ ہے جس میں یہ عاجز کتاب کی تالیف کے لیے مشغول رہا اور رہتا ہے اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے کہ جو اس چوبارہ کے پہلو میں بنائی گئی ہے اور آخری فقرہ مذکورہ بالا اسی مسجد کی صفت میں بیان فرمایا ہے جس کے حروف سے بنائے مسجد کی تاریخ بھی نکلتی ہے اور وہ

یہ ہے مبارک و مبارک و کل امر مبارک یجعل فیه یعنی یہ مسجد برکت دہندہ اور برکت یافتہ ہے اور ہر ایک امر مبارک اس میں کیا جائے گا۔ (صفحہ 559 روحانی خزائن ج 1 ص حاشیہ 666' 667)

براہین احمدیہ کے حصہ سوم اور چہارم کے مندرجہ بالا اقتباسات سے مندرجہ ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں:

(1) مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ربط رکھنے اور ہم کلام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

(2) مرزا صاحب نے اپنے الہام کو وحی کا نام دیا اور علماء کی طرف سے ممکنہ اعتراض کے خوف کی وجہ سے لکھا کہ یہ صرف لغوی نزاع ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف سے حاصل کردہ معلومات کو وحی کہا ہے جبکہ علماء اسے الہام کہتے ہیں۔

(3) مرزا صاحب کو امورِ غیبیہ اور مستقبل کے واقعات کا علم دیا گیا تھا۔

(4) گناہوں سے پر اس عہد میں اس طرح کا مصلح ایک پیغمبر کی مانند ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو حدیث میں امثل اور قرآن میں صدیق کہا گیا ہے۔

(5) ان جیسے لوگوں کا ظہور پیغمبروں کی بعثت سے مماثلت رکھتا ہے۔

(6) اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی مانند کوئی شخص نہیں ہو سکتا' البتہ اگر کوئی شخص آپؐ اور آپؐ کی سنت کی کامل اتباع کرے تو وہ آپ کا ظل (سایہ) ہو سکتا ہے۔

(7) ظل کی حالت اور رویے کا اظہار اصل راہنما کی شخصیت کا اظہار ہے۔

(8) اگر اصل حامد ہے تو ظل احمد ہے اور اگر اصل رہنما محمود ہے تو ظل محمد (ﷺ) ہے اور مرزا صاحب لفظ محمد کے بعد جوان کے خیال میں ان کا نام ہے ﷺ کے دعائیہ کلمات' جو صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہیں' استعمال کرتے ہیں اور رسولِ پاک کے اسماء کے بعد یہ کلمات نہیں لکھتے۔

(9) مرزا صاحب حضرت عیسیٰؑ سے مشابہت رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ اپنے ظہور کی پیشگوئی کا ظاہری اور جسمانی مصداق تھے جبکہ اس کا روحانی اطلاق مرزا صاحب پر ہوتا ہے۔

(10) محدث کے ظہور کی پیشگوئی خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی اور مجدد الف ثانی کے قول کے مطابق محدث وہ شخص ہوتا ہے جسے براہ راست اللہ سے ہم کلام اور مخاطب ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور اس کا مرتبہ انبیاء کے مرتبے سے قریب تر ہوتا ہے۔

(11) قرآنی آیت ھو الذی ارسل رسوله بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کله مرزا صاحب کے لیے نازل ہوئی۔

(12) اگرچہ مندرجہ بالا آیت مادی اور سیاسی اعتبار سے حضرت مسیح کے لیے پیشگوئی ہے لیکن مرزا صاحب دنیا میں حضرت مسیح کے ظہور اول کا نمونہ ہیں اور دونوں ایک ہی جوہر کے ٹکڑے ہیں۔

(13) اللہ نے مرزا صاحب کو وحی بھیجی کہ اس نے انہیں بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیے ہیں۔ بیت الفکر وہ چوبارہ تھا جہاں بیٹھ کر انہوں نے براہین احمدیہ لکھی اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے جو اس چوبارے کے نزدیک بنائی گئی تھی۔ الہام کی رُو سے یہ مسجد متبرک ہے اور برکتیں عطا کرتی ہے اور اس میں ہر برکت والا کام کیا جائے گا۔

ان نکات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اپنے دعویٰ کی بنیاد اٹھاتے ہوئے مرزا صاحب نے تسلسل کے ساتھ الہام پر زور دیا ہے جسے وہ اپنی بیان کردہ وجوہات کی بنا پر وحی کہتے تھے۔ مرزا صاحب نے 1882ء میں دعویٰ کیا کہ وہ مامور من اللہ ہیں اور ان کا مقصد اصلاح ہے' اس کی تفصیلات براہین احمدیہ کی جلد سوم میں موجود ہیں لیکن اس کے بعد انہوں نے مجدد ہونے کا دعویٰ کرنے میں دو سال لگا دیے۔ مسیح ہونے کے دعویٰ کے لیے انہوں نے لکھا کہ وہ عیسیٰؑ سے مماثلت رکھتے ہیں اور وہ وہی شخص ہیں جو وہی کام انجام دے گا جس کے لیے عیسیٰؑ کو جسمانی شکل میں بھیجا گیا۔ ظلی نبوت کے دعویٰ کے لیے انہوں نے کہا کہ ان کی طرف وحی نازل ہوتی ہے جو قرآن کی زبان اور آیات کی شکل میں ہوتی ہے اور وہی آیت 28:48 کا مصداق ہیں۔ وہ نبی کے ظل ہیں اور ظل اصل کی تمام صفات کا حامل ہوتا ہے۔ اس طرح مسیح موعود اور نبی ہونے کے آئندہ دعویٰ کے سلسلے میں تمام رکاوٹیں دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اپنے دعویٰ کے مطابق ان پر الہامات کے نزول کی کیفیات پانچ ہیں جن میں سے دو اس کیفیت سے انتہائی مشابہت رکھتی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی تھی۔

ان حوالوں میں سے ایک حوالہ ایسا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عیسیٰؑ اس دنیا میں مسیحؑ کی صورت میں جسمانی طور پر آ رہا ہے۔ بعد میں جو کچھ کہا گیا وہ صرف یہ ثابت کرنے کی ایک کوشش تھی کہ مسیحؑ کشمیر میں قدرتی موت مر چکا ہے اور اس کا جسمانی حالت میں دوبارہ آنا ناممکن ہے۔ نتیجتاً مثیلِ مسیح یعنی مرزا صاحب کو مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی پوری کرنا پڑی۔

رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں ایک واضح آیت موجود ہے۔ یہ رکاوٹ اس طرح دور کی گئی کہ لفظ خاتم کے نئے معانی دریافت کیے گئے کہ آج کے بعد نبی امت مسلمہ سے بھیجے جائیں گے اور وہ رسول اللہ ﷺ

کی مُہر سے سند حاصل کریں گے۔

گو مہدی کا ذکر نہیں لیکن مرزا صاحب نے اپنے اندر جن صفات کا دعویٰ کیا تھا' ان کے پیش نظر مہدی ہونے کا دعویٰ کرنا مشکل نہ تھا۔

مرزا صاحب نے 1891ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد عیسائی مشنریوں سے بھی مناظرے کیے۔ عبداللہ آتھم ایک عیسائی تھا جو مناظرہ بازی کا ماہر تھا۔ مرزا صاحب نے 22 مئی 1893ء سے 5 جون 1893ء تک اس کے ساتھ اور دیگر عیسائی مشنریوں کے ساتھ مناظرے کیے' جو اسلام بحیثیت مذہب کے سچا اور برتر ہونے کے بارے میں تھے' مناظرے کے آخری دن مرزا صاحب نے ایک پیشگوئی اس طرح کی:

"آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جنابِ الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں' تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی 15 ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے' اس کی اس سے عزت ظاہر ہو گی اور اس وقت جب یہ پیشین گوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کیے جاویں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے...... میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے' وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کو تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے اور روسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اُس کی باتیں نہ ٹلیں گی"

(جنگِ مقدس' صفحات 183۔184' روحانی خزائن ج 6 ص 291 تا 293)

22 اگست 1894ء کو مرزا صاحب نے ایک مکتوب منشی رستم علی کو لکھا جس میں انہوں نے اس اضطراب کا اظہار کیا کہ وہ شخص (آتھم) ابھی تک صحت مند اور موٹا تازہ ہے۔ انہوں نے امتحان سے بچ جانے کی دعا مانگی۔

(مکتوباتِ احمدیہ' جلد پنجم' حصہ سوم مکتوب نمبر 217' صفحہ 128' قادیانی مذہب' صفحہ 394 طبع دوم جنوری 2001ء)

سیرت المہدی (جلد اول' صفحہ 159 روایت 160) میں ان اقدامات کا ذکر ہے جو مرزا صاحب نے اپنی پیشگوئی کو پورا کرنے کے سلسلے میں کیے۔ اس کتاب میں یہ کہا گیا ہے کہ میاں عبداللہ سنوری نے انہیں اطلاع دی کہ آتھم کے بارے میں پیشگوئی کی میعاد پوری ہونے سے ایک دن پہلے مسیح موعود نے اسے اور میاں احمد علی کو کہا کہ وہ اتنے وزن میں چنے لائیں اور ان پر فلاں سورۃ قرآن اتنی بار پڑھیں (مصنف کو تعداد اور سورہ یاد نہیں)۔ میاں عبداللہ سنوری نے کہا کہ اس نے قرآن کی اس سورہ کی تلاوت تمام رات کی۔ مرزا صاحب دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی جانب لے گئے اور حکم دیا کہ یہ چنے کسی غیر آباد کنویں میں ڈال دیں اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر پیچھے دیکھے بغیر لوٹ آئیں۔ دونوں نے حسب ہدایت عمل کیا۔

پیشگوئی کے آخری دن احمدیوں کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے اور وہ انتہائی مایوس تھے۔ بعض لوگوں نے لاعلمی کی بنا پر آتھم کی موت پر شرط لگا دی تھی۔ ہر طرف دل گرفتگی اور مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ دعاؤں میں روتے تھے اور اللہ سے دعا کرتے تھے کہ انہیں بے عزت نہ کیا جائے۔

(سیرت مسیح موعود ص 7 از شیخ یعقوب علی وقادیانی مذہب' صفحہ 395 طبع دوم جنوی 2001ء)

مرزا صاحب نے اس کی وضاحت یہ کہہ کر کی کہ پیشگوئی اس شرط کے تحت تھی کہ آتھم (اپنے عقائد سے) دستبردار نہ ہو۔ پس خود مناظرہ میں ہی اس نے لفظ دجال واپس لے لیا تھا جو کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں ستر افراد کے سامنے کہا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کا یہ رجوع مسلسل پندرہ مہینوں کی خاموشی کے ذریعے ثابت ہو گیا۔ پیشگوئی کی بنیاد یہ تھی کہ اس (آتھم) نے رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ)...... کہا تھا اور اس گناہ کی پشیمانی کی شدت سے وہ پندرہ مہینوں کے بعد مر گیا۔

(انوار الاسلام ص 6' 7 روحانی خزائن' حصہ نہم' صفحہ 6' 7 از کشتی نوح' روحانی خزائن ج 19 ص 6 مطبوعہ 1902ء نیز دیکھئے تتمہ حقیقۃ الوحی' صفحہ 118' 119 روحانی خزائن ج 22 ص 554' 555)

مرزا صاحب نے "نسیم دعوت" (مطبوعہ 1903ء صفحہ 91) میں لکھا کہ بعض دفعہ پیشگوئی کی تکمیل گناہ کی پشیمانی سے موخر ہو جاتی ہے۔ پیشگوئی کی تکمیل پر کوئی اعتراض اسی صورت میں وارد ہو سکتا تھا جب وہ خود آتھم سے پہلے مر جائیں۔ (نسیم دعوت ص 91 روحانی خزائن 19 ص 451)

یہ ملحوظ رہے کہ پیشگوئی میں اس قسم کی کوئی بات شامل نہ تھی کہ آتھم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے نامناسب الفاظ استعمال

کیے تھے۔ پیشگوئی کی بنیاد یہ تھی کہ آتھم سچے خدا کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کو الوہیت کا درجہ دیتا ہے۔ اشارہ اس کا انجیلوں پر عقیدے کی طرف تھا۔ پیشگوئی کی تکمیل کے بغیر ہی آتھم کی موت کے لیے مقرر کردہ پندرہ مہینوں کا عرصہ گزر گیا۔

امرتسر کے مولوی ثناء اللہ' مرزا صاحب کے بڑے مخالفوں میں سے ایک تھے۔ 15 اپریل 1907ء کو مرزا صاحب نے ایک مکتوب انہیں سخت غصے کے عالم میں (جو مکتوب کی زبان سے عیاں ہے) لکھا جس میں انہوں نے اپنے خلاف ان (مولوی ثناء اللہ) کے اس پراپیگنڈا کا حوالہ دیا کہ وہ کذاب' جھوٹے اور دجال ہیں اور پھر اعلان کیا:

''اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے' تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون' ہیضہ' مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔''

آخر میں دعا کی گئی ہے کہ اللہ اس بارے میں اپنا فیصلہ نازل فرمائے۔

(مجموعہ اشتہارات ج 3 ص 578' 579 حیاتِ طیبہ' صفحہ 423 تا صفحہ 425)

حقیقت یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ طویل عرصہ تک مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے اور مرزا صاحب 1908ء میں اپنے پیروؤں کے عام موقف کے مطابق اسہال سے اور اپنے سسر کے موقف کے مطابق ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ (دیکھئے قادیانی مذہب از الیاس برنی' صفحہ 181 طبع دوم 2001ء)

مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کے مریدوں نے صورت حال کو الجھانا شروع کر دیا کہ یہ مکتوب مباہلہ (ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا اور دعا مانگنا کہ جو شخص صحیح راستے پر نہ ہو وہ مر جائے) کی پیشکش تھی لیکن مولوی ثناء اللہ نے یہ پیشکش قبول نہ کی' حالانکہ یہ مکتوب اس طرح کی تاویل کا متحمل نہیں بلکہ صاف صاف یک طرفہ طور پر ایک ایسا معاملہ ہے جس میں دوسرے کی رضامندی کی ضرورت ہی نہیں۔

یہ کوئی اہم امر نہیں کہ کون پہلے مرتا ہے۔ مرزا صاحب کی وفات قبل از وفاتِ مولوی ثناء اللہ نے اس لیے اہمیت اختیار کر لی کیونکہ مرزا صاحب سخت اور گستاخانہ زبان استعمال کرتے اور اکثر اللہ کی طرف سے مبعوث ہونے یا کذاب ہونے کے ثبوت کے طور پر زندگی اور موت کو ٹیسٹ قرار دیتے۔

اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب نے جو طریقے اختیار کیے' ان میں اپنے مخالفوں کی موت کی پیشگوئی کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی مخالف مرتا کہ اسے ایک نہ ایک دن مرنا ہی تھا' تو یہ مرزا صاحب کی مزعومہ بعثت کی سچائی کا ثبوت تصور کیا جاتا۔ آخر کار مرزا صاحب کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (ڈپٹی کمشنر) گورداسپور کے حکم مورخہ 23 اگست 1897ء' جو ان کے خلاف 107 ضابطہ فوجداری کے تحت نقص امن کے سلسلے میں مقدمہ میں جاری کیا گیا' کے ذریعے مجبور کیا گیا کہ وہ کسی شخص کی موت یا تذلیل کی پیشگوئیاں کرنے سے باز رہیں۔ (کتاب البریہ' صفحہ 261 روحانی خزائن ج 13 ص 301) بتایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے عدالت میں یقین دہانی کرائی کہ ایسی زبان استعمال نہیں کریں گے (تبلیغ رسالت' حصہ ششم' صفحہ 168 نیز صفحہ 166 مجموعہ اشتہارات ج 2 ص 468 تا 470) لیکن مرزا صاحب نے اس کا انکار کیا ہے' تاہم انہوں نے اس قسم کی یقین دہانی 1899ء میں 25 فروری کو مسٹر ایم ڈوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں کرائی۔ (قادیانی مذہب' صفحہ 449 طبع دوم 2001ء تبلیغ رسالت' حصہ ہشتم' صفحہ 44 مجموعہ اشتہارات ج 3 ص 134 تا 136)

براہین احمدیہ' جس میں مرزا صاحب نے وحیِ خداوندی کے نزول پر بہت زور دیا ہے' کی اشاعت نے مسلمانوں کے جذبہ تجسس کو خاصی حد تک ابھارا۔ وہ مرزا صاحب کی دوسری پیشگوئیوں اور ان کے پورے ہونے کا انتظار کرتے رہتے۔ مرزا صاحب نے اپنی پیشگوئیوں پر مشتمل پمفلٹ بھی شائع کیے۔ یہ پیشگوئیاں پوری نہ ہوئیں۔ اس طرح مرزا صاحب اعتراضات اور تمسخر کا نشانہ بنے اور اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے انہیں اپنے اقوال کی صحت کے لیے تاویل (کسی لفظ کے واضح معانی کا مختلف مفہوم لینا) کا سہارا لینا پڑا۔

مرزا صاحب نے 20 فروری 1886ء کو ایک وحی ایک پمفلٹ میں شائع کی کہ ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام عمانویل اور بشیر ہوگا۔ اس موقع پر جو بھی پیدا ہوگا وہ دولت میں کھیلے گا اور بڑی شان و شوکت کا مالک ہوگا۔ جب وہ آئے گا تو وہ ان کی کئی بیماریاں اپنی معجزانہ طاقت سے دور کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ (اللہ کا کلمہ) ہوگا۔ لوگوں نے اس وحی کے پورا ہونے کا انتظار شروع کر دیا۔ پھر ایسا ہوا کہ مئی 1886ء میں مرزا صاحب کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اس موقع پر جیسا کہ سیرت المہدی کے

مصنف نے کہا' جولوگ مرزا صاحب پر ایمان رکھتے تھے' مایوس ہوئے جبکہ اُن لوگوں میں جواُن پر ایمان نہیں رکھتے یا ان کے مخالف تھے' تمسخراور ہنسی مذاق کی ایسی لہر اٹھی کہ اس سے زلزلہ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ مرزا صاحب نے پمفلٹ اور خطوط کے ذریعے اعلان کیا کہ اس وحی میں ایسا کوئی اشارہ نہ تھا کہ اسی حمل میں لڑکا پیدا ہوگا۔ (سیرت المہدی' جلد اول' صفحہ 106 روایت نمبر116)

بعدازاں اگست 1887ء میں ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس پیدائش پر بہت خوشی منائی گئی اور جن کا ایمان ڈگمگا گیا تھا' پختہ ہوگیا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ یہ فرزند موعود ہے اور مرزا صاحب بشیراول کی پیدائش پر یہی رائے رکھتے تھے۔ لوگوں نے مرزا صاحب کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ایک سال بعد وہ لڑکا مر گیا۔ اس واقعہ نے ملک میں اس قدر طوفان اور زلزلہ بپا کیا کہ اس کی مانند قبل ازیں اور بعدازیں کبھی دیکھا نہ سنا گیا۔ بہت سے ایسے لوگوں کو جوان پر یقین رکھتے تھے' ایسا دھکا لگا کہ پھر مرزا صاحب کی طرف راجع نہ ہوئے۔ مرزا صاحب نے پھر لوگوں کو خطوط اور پمفلٹ کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش کی کہ انہیں کبھی یہ یقین نہ تھا کہ یہی لڑکا وحی کا مصداق ہے۔ چونکہ ان پر کئی بار وحی کا نزول ہوا' جس میں اس کے درجات بہت بلند کیے گئے تو انہوں نے سوچا کہ شاید یہی لڑکا فرزند موعود ہوگا لیکن خود وحی میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں تھا۔ ان کے کچھ مریدوں کو ان کی اس تاویل پر یقین آ گیا جبکہ دیگر پیرو مایوس ہوئے اور مخالفوں نے تمسخر اڑایا۔ (سیرت المہدی' جلد اول' صفحہ 106' 116)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ وحی پر مشتمل پمفلٹ 20 فروری 1886ء کو شائع ہوا۔ ایک اور پمفلٹ 22 مارچ 1886ء کو شائع کیا گیا' جس میں کہا گیا کہ یہ لڑکا نو سال کے اندر پیدا ہوگا۔ تیسرا پمفلٹ 8 اپریل 1886ء کو شائع ہوا جس میں بیان کیا گیا کہ جلد ہی ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کے پیدا ہونے کا عرصہ حمل کے عرصے سے زیادہ نہ ہوگا۔ (تبلیغ رسالت' حصہ اول' صفحات 86-87 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 128 حاشیہ) اسی وجہ سے جب مئی 1886ء میں مرزا صاحب کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو لوگوں نے مرزا صاحب کا مذاق اڑایا۔ لیکن مرزا صاحب نے اسے بھی اپنے حق میں استعمال کیا۔ کہا گیا کہ یہ پیشگوئی کبھی نہیں کی گئی کہ اسی حمل سے لڑکا پیدا ہوگا۔ حمل کے عرصے سے زیادہ عرصہ نہ ہونے کے الفاظ کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ لڑکا اڑھائی یا تین سال میں پیدا ہو اور اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ نو سال کے اندر لڑکا کسی وقت بھی پیدا ہوسکتا ہے (ایضاً) ظاہر ہے کہ یہ تاویلات لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتی تھیں۔

یہ وضاحت کہ مرزا صاحب کو یقین نہ تھا کہ بشیر اول وحی کا مصداق ہے' پمفلٹ 7 اگست 1887ء کی روشنی میں پرکھی جا

سکتی ہے جس میں مرزا صاحب نے بکمال مسرت پورے اطمینان کا اظہار کیا ہے کہ اس رات کو ڈیڑھ بجے پیشگوئی سچی ثابت ہوئی اور وہ بابرکت فرزند پیدا ہوا (تبلیغ رسالت' حصہ اول' صفحہ 99 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 141) پمفلٹ کا عنوان ہی خوشخبری رکھا گیا۔ خوشخبری کے پمفلٹ نے ثابت کر دیا کہ مرزا صاحب کو خود بھی یقین تھا اور انہوں نے خود ہی یہ خبر عوام میں پھیلائی۔

مرزا صاحب کی محمدی بیگم کے ساتھ شادی کرنے کی کوششیں اور ان میں ناکامی کا سب کو علم ہے۔

20 فروری 1887ء کے پمفلٹ میں' جس میں لڑکے کی پیدائش کے بارے میں پیشگوئی تھی' ایک اور پیشگوئی درج کی گئی جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ وحی کی بنیاد پر کی گئی۔ اس میں مرزا صاحب نے لکھا کہ خدا نے انہیں عورتوں کی اچھی خبریں دی ہیں جن میں سے کچھ کو وہ مستقبل میں حاصل کر سکیں گے۔ ان کے دوسرے پمفلٹوں اور تحریروں سے ظاہر ہے کہ یہ خبریں ان کی مستقبل کی شادیوں کے بارے میں تھیں' لیکن یہ حقیقت ہے کہ مرزا صاحب کی آخری شادی 17 نومبر 1884ء کو ہوئی تھی۔

(حیات طیبہ' صفحہ 75)

مرزا صاحب نے مولوی نور الدین کے نام 8 جون 1886ء کے ایک مکتوب میں لکھا کہ تقریباً چار ماہ پہلے ان پر یہ کشف ہوا کہ ان کے ہاں ایک صاحب درجات لڑکا تولد ہوگا۔ کچھ عرصہ سے انہیں کئی الہام ہو رہے تھے کہ ان کی پھر شادی ہوگی اور اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ انہیں ایک نیک اور پاکباز بیوی عطا کی جائے گی' جس سے ان کی اولاد ہوگی۔ اس کے بعد انہوں نے شادی کے دو پیغامات بھیجے جو نامنظور ہوئے۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد پنجم' حصہ 2 مکتوب نمبر 4 ص 5-6)

مرزا صاحب نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بارہا انہیں پیشگوئی کے طور پر مطلع کیا کہ ان کی شادی مرزا احمد بیگ کی بڑی لڑکی سے ہوگی' خواہ کنوارپن کی حالت میں خواہ بیوگی کی صورت میں۔

(ازالہ اوہام' صفحہ 396 روحانی خزائن ج 3 ص 305)

10 مئی 1888ء کو مرزا صاحب کی طرف سے شادی کی درخواست کا ایک خط اخبار ''نور افشاں'' میں شائع ہوا۔ ان کے مخالفوں نے انہیں اپنے اعتراضات کا نشانہ بنا لیا۔ مرزا صاحب نے جواب میں ایک اور پمفلٹ مورخہ 19 جولائی 1888ء کو شائع کیا جس میں انہوں نے اپنے اس خط کا جواز پیش کیا اور پھر کہا کہ انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں مرزا احمد بیگ کی بڑی لڑکی محمدی بیگم کے رشتہ کے لیے کہا ہے۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے جو طریق کار اختیار کیا' اس کی تفصیل دی۔ ان کے بعض قریبی رشتہ داروں نے ان سے نشانات طلب کیے۔ لڑکی (محمدی بیگم) کا والد ان کا تابع فرمان تھا اور اپنی لڑکیوں کو ان

(رشتہ داروں) کی لڑکیاں تصور کرتا تھا اور وہ بھی یہی تصور کرتے تھے۔ وہ مرزا صاحب کو جھوٹا اور کذاب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اسلام اور قرآن کریم پر اعتراضات کیے اور مرزا صاحب سے نشانیاں طلب کیں۔ اس وجہ سے مرزا صاحب نے ان کے لیے کئی بار دعا کی' جو اس طرح قبول ہوئی کہ لڑکی کے والد نے ان سے ایک مسئلے میں مدد چاہی۔ اس کی بہن مرزا صاحب کے ایک چچازاد بھائی غلام حسین سے شادی شدہ تھی۔ غلام حسین گزشتہ پچیس سال سے لاپتہ تھا۔ اس کی زمین' جس کے مرزا صاحب قانونی وارث تھے' اس کی بیوی کے نام کاغذاتِ مال میں درج کرائی گئی تھی۔ اس کا بھائی احمد بیگ چاہتا تھا کہ اس زمین' جس کی قیمت چار پانچ ہزار روپے تھی' کا ہبہ اس کے لڑکے محمد بیگ کے نام ہو جائے۔ غلام حسین کی بیوی کی طرف سے ایک ہبہ نامہ تیار کیا گیا اور مرزا صاحب کے پاس ان کی رضامندی کے حصول کے لیے لایا گیا جو کہ قانوناً ضروری تھا۔ مرزا صاحب دستخط کرنے پر آمادہ تھے لیکن انہیں اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ اب انہیں اس (احمد بیگ) کی لڑکی کا رشتہ مانگنے کی تحریک کرنی چاہئے اور اسے بتانا چاہئے کہ اس تبرع اور سخاوت کا اظہار اسی شرط کے تابع ہے اور یہ شادی برکت کا سبب اور مغفرت کی وجہ بنے گی اور اگر وہ اس شادی پر رضامند نہ ہوا تو لڑکی غم وجنون کا شکار ہو جائے گی اور جس شخص کے ساتھ اس کی شادی ہوگی' وہ شادی کے اڑھائی سال کے اندر مر جائے گا۔ اور اس کا والد اس سے تین سال کے اندر مر جائے گا۔ (تبلیغ رسالت' حصہ اول' صفحہ 116 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 157' 158)

مندرجہ بالا پمفلٹ کے ضمیمہ مورخہ 15 جولائی 1888ء سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے رشتہ داران کو کذاب اور سوداگر (جس نے دولت ہتھیانے کے لیے اللہ سے ہم کلام ہونے کا دعویٰ کیا) خیال کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ یہ لوگ نشانیاں دکھانے پر بھی مطمئن نہ ہوئے۔ انہیں اس رشتہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ شادی کی درخواست صرف بطور نشانی تھی تاکہ جو لوگ انہیں ماننے سے انکاری ہیں' انہیں خدا کی طرف سے قدرت کے عجائب دکھا دئے جائیں اور ان کی جانب سے (شادی کی تجویز) کی قبولیت کی صورت میں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا اور آنے والی آفتیں اور مصائب ٹل جاتے لیکن اگر وہ انہیں مسترد کر دیں تو ان کی تنبیہہ کے لیے خوفناک اور خطرناک نشانیوں کا ظہور ہو۔ (ایضاً' صفحات 119-120 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 161' 162)

مرزا صاحب نے ان دھمکیوں پر ہی اکتفا نہیں کیا' انہوں نے اپنے رشتہ داروں اور خود مرزا احمد بیگ کو خطوط لکھے۔ یہ التجاؤں کے خطوط تھے۔ مرزا احمد بیگ کے نام 20 فروری 1888ء کے خط میں لکھا کہ شادی کے وعدے کی صورت میں وہ ہبہ نامے پر دستخط کرنے پر آمادہ ہوں گے اور ان کی اپنی جائیداد خدا اور احمد بیگ کی ملک ہوگی۔ انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ ان کی

کوششوں سے' اس کا لڑکا محکمہ پولیس میں ملازم ہو جائے گا اور اس کا نکاح ان کے کسی متمول پیروکار کی لڑکی سے کر دیا جائے گا۔ (نوشتہ غائب از ایم۔ ایس خالد' صفحہ 100۔ دیکھئے قادیانی مذہب از الیاس برنی' طبع دوم 2001 ء ص 456) انہوں نے 17 جولائی 1892ء کو مرزا احمد بیگ کو ایک اور خط تحریر کیا جس میں کہا کہ ان کی شادی کی پیشگوئی بہت مشہور ہے اور اس سے اس پیشگوئی کی تکمیل میں مدد دینے کی درخواست کی۔ (کلمہ فضل رحمانی از قاضی فضل احمد' صفحہ 123' قادیانی مذہب' طبع دوم 2001ء ص 458 تا 460)۔ مرزا صاحب کے بیٹے فضل احمد کی شادی مرزا شیر علی کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی اور مرزا شیر علی کی زوجہ مرزا احمد بیگ کی بہن تھی۔ مرزا صاحب نے مرزا شیر علی اور اس کی بیگم کو بھی خطوط لکھے اور ان سے محمدی بیگم کے نکاح کے حصول میں مدد دینے کے لیے کہا اور انہیں دھمکی دی کہ اگر اس کی شادی کسی اور شخص کے ساتھ کر دی گئی تو وہ اپنے بیٹے فضل احمد سے کہیں گے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ مرزا شیر علی نے مرزا صاحب کو جواباً لکھا کہ اگر وہ اپنے آپ کو مرزا احمد بیگ کی جگہ تصور کریں اور موخر الذکر ان سے ان کی لڑکی کے ساتھ شادی کرانے کی درخواست کرے اور وہ پچاس سال سے زیادہ عمر کا ہو اور مسیلمہ کذاب (رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا اک جھوٹا مدعی نبوت) پر سبقت لے گیا ہو' تو وہ رشتہ دیتے؟

مرزا صاحب کی اس دھمکی کے جواب میں کہ اپنی بیوی (جو مرزا احمد بیگ کی ہمشیرہ تھیں) کے ذریعے مرزا احمد بیگ پر اثر انداز ہونے سے انکار کی صورت میں ان کا لڑکا ان کی لڑکی کو طلاق دے دے گا' مرزا شیر علی نے دریافت کیا کہ اس کی بیوی کا کیا حق ہے کہ اپنی بیٹی کے لیے بھائی کی لڑکی کو ایک دائم المریض آدمی کو' جو مراق سے خدائی تک پہنچ چکا ہو' دینے کے لیے کہے۔

(قادیانی مذہب' طبع دوم 2001ء ص 462-463)

بالآخر مرزا صاحب کے دباؤ کے تحت' ان کے بیٹے فضل احمد نے اپنی بیوی مرزا شیر علی بیگ کی لڑکی کو بادلِ ناخواستہ طلاق دے دی۔ مرزا صاحب کی پہلی بیوی اور اس کے بیٹے سلطان احمد نے محمدی بیگم کے خاندان کا ساتھ دیا۔ مرزا صاحب نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اپنے بیٹے سلطان احمد کو اپنی وراثت سے محروم کر دیا (تبلیغ رسالت' جلد 2' صفحات 9 تا 11 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 219 تا 221)

محمدی بیگم کی شادی مرزا سلطان محمد کے ساتھ ہو گئی جو پیشگوئی کے مطابق فوت نہیں ہوئے اور ایک مدت دراز تک زندہ رہے۔ مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی کی شادی سے چھ ماہ کے اندر فوت ہو گیا اور اسے پیشگوئی کی تکمیل قرار دیا گیا۔ لیکن سلطان محمد کی شادی اور موت کا کیا ہوا؟ وہ مرزا صاحب کے مرنے کے بعد بھی عرصہ دراز تک زندہ رہے۔ جنگ عظیم اول میں شریک ہو کر زخمی

ہوئے لیکن زندہ رہے

(قادیانیت از سید ابوالحسن ندوی' صفحہ 165)۔

سیرت المہدی میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے رشتہ داروں کو خطوط لکھے اور اس شادی کے لیے بڑی جدوجہد کی۔(جلد اول' صفحہ 205' روایت نمبر 179) تاہم مصنف نے یہ واضح کرنے کی سعی کی ہے کہ کوئی نبی بھی ایسا نہیں جس نے اپنی پیشگوئیوں کی تکمیل کی کوشش نہ کی ہو۔(ایضاً' صفحہ 193 روایت نمبر 179) یقیناً بہت ہی بڑا دعویٰ ہے لیکن اسے درست فرض کرتے ہوئے بھی کیا یہ جائز تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرتے اور اپنے بیٹے کے خسر کو دھمکیاں دیتے کہ ان کی مدد کرنے سے انکار کی صورت میں وہ اپنے بیٹے کو ہدایت کریں گے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔جس دین کو مرزا صاحب بظاہر مانتے تھے' اس میں ایسا کوئی تصور موجود نہیں ہے کہ نافرمان لڑکے کو اپنی زندگی میں ہی وراثت سے محروم کر دیا جائے۔لیکن انہوں نے اس کا تحریری اعلان کیا۔انہوں نے اسی بنا پر اپنی پہلی بیوی کو بھی طلاق دے دی کہ وہ اس شادی کے لیے اپنے رشتہ داروں پر زور دینے کے لیے آمادہ نہ ہوئی۔اسلام میں طلاق مکروہ ترین چیز ہے۔لیکن مرزا صاحب اپنی بیوی' اپنے بیٹے اور بہو سے بھی انتقام لینے میں تیز نکلے۔

سیرت المہدی کا مصنف لکھتا ہے کہ نہ صرف مرزا احمد بیگ کا انتقال ہو گیا بلکہ خاندان کئی بدنصیبیوں سے دوچار ہوا۔کہا جاتا ہے کہ مرزا احمد بیگ کی موت سے پیشگوئی پوری ہو گئی۔لیکن پیشگوئی یہ تھی کہ محمدی بیگم کا خاوند اڑھائی سال کے اندر اور اس کا والد تین سال کے اندر مر جائیں گے۔پیشگوئی کی معقول تعبیر یہ ہوتی کہ والد کی موت' محمدی بیگم کے خاوند کی موت کے بعد لیکن شادی کے تین سال کے اندر' واقع ہوتی۔لیکن وہ شادی کے بعد جلدی مر گیا اور جس شخص کو پہلا شکار ہونا تھا وہ زندہ رہا۔

منگنی یا شادی میں ناکامی یا کامیابی عام حالات میں کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتی لیکن مرزا صاحب کے خدائی الہام پر اصرار نے اس واقعہ کو اہمیت دے دی۔انجام آتھم ص حاشیہ 31 روحانی خزائن ج 11 ص حاشیہ 31) میں لکھا:

"کہ نفس پیشگوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے۔اس کی انتظار کرو۔اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشگوئی پوری نہیں ہو گی اور میری موت آ جائے گی۔"

اور یہ پوری نہ ہوئی۔یہ 1899ء کی بات ہے' شادی کے بارے میں اس سے قبل بھی وہ تقریباً یہی بات ایک رسالے مطبوعہ 6 ستمبر 1894ء میں کہہ چکے تھے۔انہوں نے لکھا تھا:

''نفس پیشگوئی یعنی اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی کیونکہ اس کے لیے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے کہ لاتبدیل لکلمات اللہ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔''

(مجموعہ اشہارات ج 2 ص 43)

لیکن جس وقت یہ الفاظ لکھے جا رہے تھے' سلطان محمد کی موت کے لیے مقرر کردہ مدت اس سے قبل گزر چکی تھی۔ لیکن مرزا صاحب مصر رہے کہ جو مقرر ہو چکا ہے' وہ ضرور واقع ہوگا خواہ اس میں کچھ تاخیر ہو جائے۔

1891ء میں مرزا صاحب نے پیشگوئی کی:

''سلطنت برطانیہ ہشت سال'' اور ''سلطنت برطانیہ ہفت سال۔''

یہ پیشگوئی بہت سی تعبیرات کا موضوع سخن بنی رہی' کیونکہ برطانوی حکمرانی جنگ عظیم دوم کے بعد تک قائم رہی۔ (دیکھئے سیرت المہدیؑ' جلد 2' صفحہ 9 نمبر 314)

براہین احمدیہ' جلد 5 (صفحات 73-74 روحانی خزائن ج 21 ص 94-95) میں مرزا صاحب نے قرآن کریم کی آیت 3:55:

اذ قال اللہ یٰعیسٰی انی متوفیک و رافعک الی و مطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ

(جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان سے تجھے پاک کرنے والا ہوں اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی ان کو قیامت تک کے لیے ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔)

درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

''یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیری بریت ظاہر کروں گا اور جو تیرے پیرو ہیں' میں قیامت تک ان کو تیرے منکروں پر غالب رکھوں گا۔ اس جگہ اس وحی الٰہی میں عیسیٰ سے مراد میں ہوں اور تابعین یعنی پیروؤں سے مراد میری جماعت ہے۔ قرآن شریف میں یہ پیشگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ہے اور مغلوب قوم

سے مراد یہودی ہیں جو دن بدن کم ہوتے گئے۔ پس اس آیت کو دوبارہ میرے لیے اور میری جماعت کے لیے نازل کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقدر یوں ہے کہ وہ لوگ جو اس جماعت سے باہر ہیں' وہ دن بدن کم ہوتے جائیں گے اور تمام فرقے مسلمانوں کے جو اس سلسلہ سے باہر ہیں' وہ دن بدن کم ہو کر اس سلسلہ میں داخل ہوتے جائیں گے یا نابود ہوتے جائیں گے۔''

اس پیشگوئی کا بطلان اس قدر عیاں اور ظاہر ہے کہ اس بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ 1981ء کی آخری مردم شماری کے مطابق پاکستان میں قادیانیوں کی تعداد 103000 ہے اور صرف پنجاب میں جہاں مرزا صاحب کے کچھ ماننے والے موجود تھے' مسلمانوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ قادیانیوں کی تعداد میں ہمیشہ مبالغہ کیا گیا ہے۔ یہ امر مذہب اور اخلاقیات کی انسائیکلوپیڈیا' جلد 10' صفحہ 530 (ق) سے ظاہر ہوتا ہے:

''یہ تحریک 1889ء میں اپنی ابتداء سے لگاتار بڑھتی رہی۔ 1896ء میں اپنے اراکین کی تعداد 313 ہونے کا دعویٰ تھا۔ 1901ء کی سرکاری مردم شماری میں صوبہ ہائے متحدہ میں 1113 مرد اور بمبئی پریذیڈنسی میں 11087 (صاف طور پر غلط)۔ 1904ء میں مرزا صاحب نے 100000 سے زیادہ مریدوں کا دعویٰ کیا اور اپنی موت سے قبل پیروکاروں کی کل تعداد کا تخمینہ 500000 لگایا۔ اس واضح مبالغے کا موازنہ 1911ء میں پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ کے نتائج سے کیا جا سکتا ہے' یعنی 18695 احمدی۔ ایک آزاد تخمینے کے مطابق آج کے ہندوستان میں تحریک کی کل تعداد غالباً 60000 ہوگی۔ دوسرے ممالک میں بھی کچھ بکھرے ہوئے پیروکار موجود ہیں۔''

1931ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد 55 ہزار ہے جس کا اندازہ مرزا محمود احمد نے پچھتر ہزار لگایا۔ (خطبہ میاں محمود احمد الفضل' قادیان' جلد 21 نمبر 152 مورخہ 21 جون 1934ء قادیانی مذہب' صفحہ 502 طبع دوم 2001)

ایک رسالہ مورخہ 27 دسمبر 1899ء میں مرزا صاحب نے لکھا کہ انہوں نے کسی کتاب میں اپنے پیروؤں کی تعداد تین سو دی تھی۔ یہ تعداد دس ہزار ہو چکی ہے اور تین سال کے اندر ایک لاکھ سے بڑھ جائے گی۔ (تبلیغ رسالت' جلد 8' صفحہ 54 مجموعہ اشتہارات ج 3 ص حاشیہ 144)۔ ایک رسالے مورخہ 4 نومبر 1900ء میں انہوں نے اس تعداد کا تخمینہ تیس ہزار لگایا۔ (ایضاً' جلد 9' صفحہ 90 مجموعہ اشتہارات ج 3 ص 364) مرزا صاحب نے حلفاً کہا کہ ''میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں۔

(سیرت المہدی' جلد 1 'صفحہ 165 روایت نمبر 157)

تحفۃ الندوہ (1902ء) ص 8 روحانی خزائن ج 19 ص 101 '102 میں بھی انہوں نے یہی تعداد مقرر کی اور کہا کہ ان میں سے دس ہزار طاعون کے زمانے میں شامل ہوئے تھے۔ حقیقۃ الوحی کے تتمہ (مطبوعہ 1907ء) صفحہ 117 روحانی خزائن ج 22 ص 552 میں مرزا صاحب نے اپنے پیروؤں کی تعداد چار لاکھ بتائی۔ مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کے علاوہ ان کے پیروکاروں' جن میں مبارک احمد پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان شامل ہیں' نے بھی تعداد کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔

موخر الذکر نے احمدیوں کی تعداد پچاس لاکھ بیان کی ہے۔ عبدالرحیم درد نے مسٹر فلبی کے سامنے بیان کیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کی غالب اکثریت احمدی مسلمانوں کی ہے۔ یہ بیان اس وقت دیا گیا تھا جب پنجاب کے مسلمانوں کی تعداد صرف ڈیڑھ کروڑ تھی۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اس کے دعوے کے مطابق پنجاب میں قادیانیوں کی تعداد پچھتر لاکھ تھی۔ حال ہی میں اکانومسٹ لندن نے یہ تعداد ایک کروڑ دی ہے۔ اس رسالے نے یقیناً قادیانیوں سے غذا پائی ہوگی۔ پنجاب کے مسلمانوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ سے زیادہ ہے اور پورے ملک میں قادیانیوں کی تعداد 103000 ہے۔ یہ تھی مرزا صاحب کی پیشگوئی!

یونٹی کلکتہ نے ایک مضمون میں' جو مرزا صاحب کے انتقال پر لکھا گیا تھا' ان کے متبعین کی تعداد بیس ہزار بتائی۔ (سیرت المہدی' جلد 1 'صفحہ 265 'نمبر 290)

جب مرزا صاحب کے تھوڑے بہت پیروکار بن گئے تو انہوں نے ایک رسالہ مورخہ یکم دسمبر 1888ء میں انہیں بیعت کرنے کی دعوت دی۔ (حیات طیبہ' صفحات 97-98) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مضمون قادیان (جلد 10) کے مطابق ایسے پیروکاروں کی تعداد 1896ء میں 313 تھی۔

اپنے حامیوں کی کافی بڑی تعداد جمع کر لینے کے بعد مرزا صاحب نے 1891ء میں اپنے مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کے اعلان کا دوسرا قدم اٹھایا' اور امت مسلمہ کا یہ خدشہ کہ وہ دعویٰ نبوت کرنے کی جانب رواں دواں ہیں' جزوی طور پر درست ثابت ہوا۔ درحقیقت مرزا صاحب پہلے ہی براہین احمدیہ میں اپنے مسیح موعود ہونے کی بنیاد رکھ چکے تھے کیونکہ وہاں وہ اپنے مثیل مسیح (مسیح جیسا) ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے۔

مرزا صاحب نے فتح اسلام (1891ء میں طبع ہوئی تھی) میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ

''میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لیے بھیجا گیا کہ دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔ میں اس طرح

بھیجا گیا ہوں جس طرح سے وہ شخص بعد کلیم اللہ مرد خدا کے بھیجا گیا تھا جس کی روح بہت تکلیفوں کے بعد آسمانوں کی طرف اٹھائی گئی۔ سو جب دوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے' دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لیے آیا جس کے حق میں ہے (آیت قرآنی نمبر 15:73) انا ارسلنا الیکم رسولا شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ سو اس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیم اول (موسیٰ) کا مثیل مگر رتبہ میں اس سے بزرگ تر تھا۔ ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم پا کر اسی زمانہ کی مانند اور اسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اترا۔"

(دیکھئے فتح اسلام ص 10' 11 مطبوعہ روحانی خزائن' جلد 3' صفحہ 8)

"کلیم اول" کے بعد کی زبان مبہم ہے۔ لیکن میں نے مرزا صاحب کے نظریے کا وہ منشا بیان کر دیا ہے جسے وہ خود دیگر کتب اور مقامات میں واضح کر چکے ہیں۔

مرزا صاحب نے لکھا کہ "جس مسیح نے آنا تھا وہ آ چکا ہے" (فتح اسلام ص حاشیہ 15 روحانی خزائن ج 3 ص 10)۔ مرزا صاحب کا یہ نظریہ کہ وہ مسیح کے نام سے مبعوث ہوئے ہیں' نیا نہیں ہے۔ براہین احمدیہ میں وہ بیان کر چکے ہیں کہ ان کی فطرت میں مسیح سے ایک مخصوص مشابہت موجود ہے اور اس وجہ سے وہ مسیح کے نام سے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس نظریے میں بعد میں یہ ترقی ہوئی کہ عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور انہوں نے کشمیر میں اپنی طبعی موت سے وفات پائی تھی اور چونکہ ان کی روح جنت میں جا چکی ہے' اس لیے وہ واپس اس دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔

وہ توضیح المرام (مطبوعہ 1891ء ص 19 روحانی خزائن' جلد 3' ص 60) میں مزید لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ بابِ نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مُہر لگائی گئی ہے بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس امت مرحومہ کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے مگر اس بات کو بحضورِ دل یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نبوت جس کا ہمیشہ کے لیے سلسلہ جاری رہے گا نبوت تامہ نہیں ہے۔...... بلکہ وہ صرف ایک جزئی نبوت ہے جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کے اسم سے موسوم ہے جو انسانِ کامل کی اقتداء سے ملتی ہے۔"

براہین احمدیہ میں وہ محدث کو نبی کے برابر قرار دے چکے ہیں لیکن اب اسے جزوی نبی کہہ رہے ہیں۔ براہین احمدیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں "اور انبیاء کے مرتبہ سے اس کا مرتبہ قریب واقع ہوتا ہے (صفحہ 46)۔ انہوں نے عیسیٰؑ کی والدہ مریم' موسیٰؑ کی

والدہ اور عیسیٰؑ اور خضرؑ کے حواریوں کی مثالیں دی ہیں، جن میں سے کوئی بھی پیغمبر نہ تھا۔ درحقیقت وہ 1890ء تک قطعی ختم نبوت کے موقف پر قائم رہے لیکن بعد میں اوپر بیان کیا ہوا موقف اختیار کرلیا۔

انہوں نے شریعت کے بغیر نبیوں کی آمد کا دروازہ کھلا رکھا اور اپنا یہ عقیدہ ان الفاظ میں بیان کیا:

''اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کے تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔'' (ازالہ اوہام، صفحہ 138 روحانی خزائن ج 3 ص 170)

1891ء تک تو برصغیر ہندوستان کے مسلمان، مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کے جھوٹا ثابت ہونے پر ان کا صرف مذاق اُڑاتے۔ محمدی بیگم کے واقعہ میں آچکا ہے کہ خود ان کے اپنے خاندان کے افراد انہیں دجال، مسیلمہ اور اسی نوع کے دیگر القاب سے یاد کرتے۔ غالباً وہ انہیں بہتر جانتے تھے۔ لیکن مسیح اور مہدی ہونے کے دعاوی نے مسلمانوں کو پریشان کردیا اور تنقید اور غم و غصہ کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ مرزا صاحب نے بظاہر مسلمانوں کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اپنے قدموں پر کچھ واپسی دکھائی۔ لیکن اس موضوع پر گفتگو سے پہلے مناسب ہوگا کہ نبی اور رسول یا مرسل کے الفاظ کی وضاحت کردی جائے۔

ہر رسول نبی ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر نبی بھی رسول ہو۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جسے اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو اور فرشتے اس پر وحی لاتے ہوں جبکہ رسول وہ ہوتا ہے جو نئی شریعت لائے یا سابقہ شریعت کے کچھ احکام منسوخ کرے۔ رسول اور مرسل میں عموماً کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ صرف کرامیہ نے یہ فرق کیا ہے کہ رسول منجانب اللہ فرستادہ شخص ہوتا ہے اور مرسل کسی بھی بھیجنے والے کا بھیجا ہوا شخص ہوتا ہے۔ (اصول الدین از عبدالقاہر بغدادی، صفحہ 154)۔ بعد کے دور میں لفظ رسول اور نبی کے مابین فرق ختم ہوگیا۔ تاہم اگر کسی نے فرق کیا ہے تو وہ وہی ہے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، جلد 10، صفحہ 253 لفظ ''رسول'')۔ ابو حفص عمر نسفی کی کتاب العقائد النسفیۃ کے مطابق ان دونوں الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔ تاہم اس کتاب میں لفظ رسول ایسے شخص کے لیے استعمال ہوا ہے جو صاحب شریعت ہو۔ (ایضاً)

مرزا صاحب نے یہ تینوں الفاظ نبی، رسول اور مرسل ازالہ اوہام صفحہ 534 روحانی خزائن ج 3 ص 387 میں استعمال کیے ہیں۔ وہ عیسیٰ کی بحیثیت مسیح دوبارہ آمد کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی، اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوتِ تامہ کی شرائط میں سے ہے،

آ سکتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوتِ تامہ کے لوازم جو وحی اور نزولِ جبریل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیے۔ کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائد دین جبریل کے ذریعہ سے حاصل کیے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مُہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مُہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔" (مطلب یہ ہوا کہ ان کے مطابق مُہر نہیں ٹوٹنی چاہیے)۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہاں نبی اور رسول کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیے گئے ہیں اور ان میں واضح امتیاز نہیں کیا گیا۔ ازالہ اوہام صفحہ 761 روحانی خزائن ج 3 ص 511 پر کہا گیا ہے:

"چہارم قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا ہو کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔"

ازالہ اوہام کے صفحہ 614 روحانی خزائن ج 3 ص 431 '432 پر قرآن کریم کی آیت 40:33:

"ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا رسول اور خاتم النبیین ہے۔)

کا ذکر کر کے اس کے آخری حصے کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:

"مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔"

اور مزید کہا ہے:

"یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی ﷺ کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم دنیا میں نہیں آ سکتا کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کرے۔"

اور مزید کہا:

"اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا قیامت منقطع ہے۔"

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے خاتم النبیین کی ترکیب' جس میں لفظ نبی شامل ہے' سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قیامت تک کوئی رسول

نہیں ہوگا (صفحہ 714)۔ جبکہ اس سے قبل براہین احمدیہ میں ان کا موقف یہ تھا کہ وحی نبوت رسولِ پاک ﷺ پر ختم ہے لیکن اب پھر ختم نبوت کی قطعیت میں، یہ کہتے ہوئے ایک سوراخ نکالا ہے کہ وحی رسالت ختم نہیں ہوئی۔

ایک اشتہار مورخہ 2 اکتوبر 1891ء جو "تبلیغ رسالت" (جلد دوم، صفحہ 20 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 230) میں منقول ہے، میں کہتے ہیں:

"میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہل سنت جماعت کا عقیدہ ہے، ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رُو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کافر اور کاذب جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہوگئی۔"

یہ آخری موقف پھر اس موقف سے قطعی مختلف ہے جس پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

ایک دوسرے اشتہار مورخہ 23 اکتوبر 1891ء جو جامع مسجد دہلی میں منعقدہ ایک اجتماع میں تقسیم کیا گیا اور جو "تبلیغ رسالت" حصہ دوم، صفحہ 44 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 255 میں نقل کیا گیا ہے، میں بیان کرتے ہیں:

"ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت والجماعت کا مذہب...... اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا (جامع مسجد دہلی) میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوۃ کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"

پہلے اشتہار مورخہ 2 اکتوبر 1891ء میں بیان کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب کسی قسم کی نبوت کے مدعی کو بھی دجال، کاذب اور کافر سمجھتے ہیں۔ دوسرے اشتہار میں انہوں نے ختم نبوت کا لفظ، جو بظاہر نبی اور رسول، دونوں کے مفہوم میں شامل ہے، استعمال کیا ہے۔

اپنی کتاب "انجام آتھم" (مطبوعہ 1897ء) کے صفحہ 27، 28 روحانی خزائن ج 11 ص حاشیہ 27، 28 پر لکھتے ہیں:

"کیا ایسا بدبخت مفتری، جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے، وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے بعد نبی اور رسول ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس عاجز نے کبھی

اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں' مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے' لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جل شانہ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں' جن میں یہ لفظ نبوت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے' ان کو بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا' لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے (لفظ رسول اور نبی میں مراد مجاز ہے) وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے اور اصل حقیقت' جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں' یہی ہے جو ہمارے............نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔"

"ومن قال بعد رسولنا و سیدنا انی نبی و رسول علیٰ وجه الحقیقة و الافتراء و ترک القرآن واحکام الشریعته الغراء فهو کافر کذاب. غرض ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت ﷺ کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہِ راست نبی اللہ بننا چاہے تو وہ ملحد بے دین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تغیر و تبدل کر دے گا' پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔"

حمامتہ البشریٰ' صفحہ 79 روحانی خزائن ج 7 ص 297 (طبع 1894ء) میں انہوں نے کہا ہے:

"ما لی ان ادعی النبوة و اخرج من الاسلام و الحق بالکافرین." (ترجمہ: میں کیوں نبوت کا دعویٰ کر کے دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں میں داخل ہو جاؤں)۔

یہ کہ ان کا دعویٰ نبوت کا نہیں بلکہ محض ولایت اور مجددیت کا تھا۔ انہوں نے اپنے الہام اور عبدالقادر جیلانیؒ (معروف صوفی اسلام) کے الہام کے مابین مشابہت بتائی۔ انہوں نے حمامتہ البشریٰ کے صفحہ 20 روحانی خزائن ج 7 ص 200 پر زور دے کر کہا ہے:

"الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سمی نبینا ﷺ خاتم الانبیاء بغیر استثناء و فسره نبینا فی قوله لا نبی بعدی ببیان واضح للطالبین؟ ولو جوزنا ظهور نبی بعد نبینا ﷺ لجوزنا انفتاح باب وحی النبوة بعد تغلیقها و هذا خلف کما لا یخفی علی المسلمین و کیف یجئی نبی بعد رسولنا ﷺ وقد انقطع الوحی بعد وفاته و ختم الله به النبیین."

آخری حصے کا تعلق اسی نکتے سے ہے کہ کیا عیسیٰ دوبارہ آئیں گے اور وہ آخری نبی ہوں گے۔انہوں نے کہا ہے کہ

''ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نبی (حضرت محمد ﷺ) کی آمد پر نبوت ختم ہوگئی ہے۔''

اس آخری اصول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے مطابق نزولِ عیسیٰ کا مطلب عیسیٰ نبی کی آمد نہیں' کیونکہ اس سے ان کا آخری نبی ہونا لازم آتا ہے...... یہی بیان ''ایام صلح'' مطبوعہ 1899ء (صفحہ 146 روحانی خزائن ج 14 ص 392' 393) میں بھی موجود ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں' لیکن ختم نبوت کا بہ کمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق یہ شرارت ہے۔نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث لا نبی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔پس یہ کس قدر جرات اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی منقطع ہو چکی تھی' پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جائے کیونکہ جس میں شانِ نبوت باقی ہے' اس کی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہوگی۔''

ایک اشتہار مورخہ 20 شعبان 1314ھ (1897ء) جو تبلیغ رسالت' حصہ ششم' صفحہ 2 مجموعہ اشتہارات ج 2 ص 297' 298 پر چھپا ہوا ہے' میں لکھتے ہیں:

''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور باتباع آنجناب ﷺ اولیاء کو ملتی ہے' اس کے ہم قائل ہیں۔''

خاتم (مہر) کا لفظ' جسے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد مختلف معنی دینے کی کوشش کی گئی' بھی ازالہ اوہام' صفحہ 577 میں اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے جس کا تذکرہ اوپر ہوا ہے۔مرزا صاحب نے رسول پاک ﷺ کے بعد وحی نبوت کی نفی کی ہے۔

''جنگ مقدس'' (مطبوعہ 1893ء) صفحہ 74 روحانی خزائن ج 6 ص 156 میں مرزا صاحب نے اس الزام کی تردید کی ہے کہ وہ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اور معجزے کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

''میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں' یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں۔کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے' وہ نبی بھی ہو جائے۔میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ اور رسول کا متبع ہوں اور ان نشانیوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں

چاہتا' بلکہ ہمارے مذہب کی رُو سے ان نشانیوں کا نام کرامات ہے جو اللہ کے رسول کی پیروی سے دیے جاتے ہیں۔''

مرزا صاحب نبوت کا دعویٰ کرنے سے کچھ پہلے اپنے لیے نبی کا لفظ کثرت سے استعمال کرنے لگے اور پھر مسلمانوں کے اشتعال' مخالفت اور پریشانی کو دور کرنے کی غرض سے اس کی اپنے انداز سے وضاحت کرنے میں عجلت بھی دکھاتے۔ ''سراج منیر'' صفحہ 3 روحانی خزائن ج 12 ص 5 پر وہ لکھتے ہیں:

''یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اس بندے پر نازل فرمایا' اس میں اس بندہ کی نسبت نبی اور رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں' سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ ولکل ان یصطلح (ہر ایک کو اصطلاح بنانے کا حق ہے) سو خدا کی یہ اصطلاح ہے جو اس نے ایسے لفظ استعمال کیے۔ ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رُو سے بعد آنخضرت ﷺ نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے مگر مجازی معنوں کی رُو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا رسول کے لفظ سے یاد کرے۔''

ایک مکتوب مطبوعہ لیکچر قادیان نمبر 29' حصہ سوم' مورخہ 17 اگست 1899ء میں مرزا صاحب نے لکھا ہے:

''حال یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آ گیا ہے' لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت و رسالت ہے......سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارے کے رنگ میں ہیں' اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لیے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔''

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ مرزا صاحب نے ''توضیح المرام'' میں کہا ہے کہ جزوی نبوت اور وحی کا باب بند نہیں اور یہ کہ محدث (جو اللہ سے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف پائے) جزوی نبی ہوتا ہے۔

وہ ''ازالہ اوہام'' (ص 584' 585 روحانی خزائن ج 3 ص 415' 416) میں ایسے لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو رسول پاک ﷺ کے بعد کسی بھی ایسی وحی کو ممکن سمجھتے ہیں جو قرآن کے ایک حکم کو تبدیل یا منسوخ کرے۔ یوں نبوت بلا شریعت کا باب کھلا رکھا' لیکن اسی کتاب کے صفحہ 534 روحانی خزائن ج 3 ص 387 پر انہوں نے وحی نبوت کو ناممکن قرار دیا اور صفحہ 761 روحانی خزائن ج 3 ص 511 پر وحی رسالت کے باب کو مسدود قرار دیا۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرزا صاحب مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف کچھ کہنے میں ایک قدم آگے بڑھتے تو ان کی مخالفت کا احساس کرتے ہوئے دو قدم پیچھے لوٹتے

تاکہ انہیں یہ باور کرا سکیں کہ ان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو وہ مانتے ہیں۔اپنے آئندہ کے دعووں کو ترقی دینے اور بڑھانے کی غرض سے کوئی متضاد سی بات کہہ دی جاتی اور پھر مسلمانوں کے عقیدے کو بار بار دہرایا جاتا تاکہ وہ بچاؤ کا کام دے سکے۔ پہلے محدثیت نبوت سے قریب تر بنی، پھر یہ جزوی نبوت ٹھہری اور پھر مہر نبوت سالم قرار دی گئی۔ پہلے نبوت کا دروازہ بند ہوا اور پھر اسی نظریے کو تدریجاً ترقی دی گئی تا آنکہ ان کے پیروکار نئے دعوے کے لیے تیار ہو گئے۔

اب محدثیت کے نظریے کے ارتقاء اور وسعت کا جائزہ مرزا صاحب کے الفاظ میں ہی لیا جا سکتا ہے۔مولوی عبدالحکیم اور مرزا صاحب کے مابین ایک معاہدے مورخہ 3 فروری 1892ء میں جو ''تبلیغ رسالت'' حصہ دوم' صفحہ 95 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 313' 314 میں چھپا ہے' مرزا صاحب تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے رسائل فتح اسلام' توضیح المرام اور ازالہ اوہام میں یہ درج ہو چکا ہے کہ محدث ایک مفہوم میں نبی ہوتا ہے اور محدثیت جزوی نبوت یا نبوتِ ناقصہ ہے۔

''یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رُو سے بیان کیے گئے ہیں ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوتِ حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے' بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالہ اوہام' صفحہ 137 میں لکھ چکا ہوں' میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں.......... کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔''

حمامتہ البشریٰ (صفحہ 131 روحانی خزائن ج 7 ص 297) میں دعویٰ نبوت کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے لوگوں سے سوائے اس کے جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ میں محدث ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اسی طرح کلام کرتا ہے جس طرح محدثین سے۔''

(نیز دیکھئے آئینہ کمالات اسلام ص 383 روحانی خزائن ج 5 ص 383' سلسلہ تصنیفات' حصہ پنجم' صفحہ 2082)

حمامتہ البشریٰ کے ص 134 روحانی خزائن ج 7 ص 300 پر وہ کہتے ہیں:

''ہاں میں نے کہا ہے کہ نبوت کے تمام اجزاء تحدیث میں پائے جاتے ہیں' لیکن بالقوہ نہ کہ بالفعل۔پس محدث بالقوہ نبی ہوتا ہے اور اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا تو وہ بالفعل نبی ہوتا' اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نبی محدث ہے بطریق کمال اور

بالفعل، اور محدث نبی ہے بالقوہ۔"

اور نبوت کا باب کھولنے کے بعد انہوں نے خود نبوتِ کاملہ حاصل کر لی۔ اسی طرح مسیح ہونے کا دعویٰ بھی ارتقائی مراحل سے گزرا۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں لکھا کہ وہ مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہیں اور دونوں کی فطرت میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کو مسیح سے مشابہت تامہ حاصل ہے، لہٰذا خدا نے انہیں مسیح کی پیش گوئی میں بھی شریک رکھا۔ کہا جاتا تھا کہ مسیح دنیا میں آئے گا اور چار دانگ عالم میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔ یہ جسمانی ظہور ہوگا، لیکن اس پیش گوئی کا روحانی مصداق مرزا صاحب ہیں (براہین احمدیہ صفحہ 499 روحانی خزائن ج 1 ص 593) اس نظریے کے مطابق عیسیٰ بن مریم ضرور آئے گا لیکن روحانی پہلو سے مرزا صاحب اس کے ثانی یا مثیل ہیں۔ (دیکھئے فتح اسلام صفحہ 11 روحانی خزائن ج 3 ص 8)

فتح اسلام، صفحہ 11 روحانی خزائن ج 3 ص 8 میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے ہیں جو مسیح کی آمد کے زمانے سے مشابہ ہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کا مثیل اس لیے بھیجا کہ وہ لوگوں میں علم دین کی اشاعت کرے اور پھر غیر مبہم الفاظ میں ایک مختلف بات کہہ دی کہ:

"مسیح جو آنے والا تھا یہی ہے، چاہو تو قبول کر لو۔" (فتح اسلام حاشیہ صفحہ 15 روحانی خزائن ج 3 ص 10)

اس دعوے نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ بڑی سخت مخالفت ہوئی اور انہیں کافر قرار دیا گیا۔ (دیکھئے آسمانی فیصلہ ص 1 تا 5 روحانی خزائن ج 4 ص 311 تا 315)۔ مرزا صاحب اپنی عادت کے مطابق اپنے قدموں پر فوراً واپس لوٹے اور اپنے دعوے کو صرف مثیل ہونے تک محدود کر دیا۔ (توضیح المرام، صفحات 16 تا 21 روحانی خزائن ج 3 ص 59 تا 61)

انہوں نے کہا کہ:

"مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔ جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے، ایسا ہی میری روحانی حالت مسیح ابن مریم کی روحانی حالت سے اشد درجہ کی مناسبت رکھتی ہے۔"

(تبلیغ رسالت، جلد دوم، صفحہ 21 مجموعہ اشتہارات ج 1 ص 231)

اپنے اس دعوے کے برعکس کہ وہ وہی مسیح ہیں جسے آنا تھا، انہوں نے کہا کہ:

"ممکن ہے کہ مستقبل میں کوئی مسیح نہ آئے۔ ممکن ہے دس ہزار اور مسیح آ جائیں اور ان میں سے ایک دمشق میں نازل ہو

جائے یا اور دس ہزار بھی مثیلِ مسیح آ جائیں۔''

(ازالہ اوہام' صفحہ 297 روحانی خزائن ج 3 ص 251)

لیکن مزید کہا:

''ہاں اس زمانے کے لیے میں مثیل مسیح ہوں اور دوسرے کی انتظار بے سود ہے۔''

(ایضاً' صفحہ 199 روحانی خزائن ج 3 ص 197)

انہوں نے بعد میں بے نقاب ہو کر کہہ دیا کہ:

''میرے بعد قیامت تک نہ کوئی مہدی آئے گا اور نہ کوئی مسیح .... جسے آنا تھا وہ میں ہی ہوں۔'' (رسالہ' مورخہ 4 اپریل 1905ء مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد 10' صفحہ 78 مجموعہ اشتہارات ج 3 ص 520)

یہ وہی حکمت عملی ہے جو مرزا صاحب کی کتابوں میں بکثرت ملتی ہے۔ وہ ایک وقت میں کئی متضاد باتیں کہتے ہیں' تاکہ کسی خاص مرحلے میں جو موزوں ہو اُسی کی پناہ لے سکیں۔ اسی طرح انہوں نے ازالہ اوہام (صفحہ 634 روحانی خزائن ج 3 ص 442) میں ایک الہام لکھا:

''جعلناک المسیح ابن مریم (ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا)'' اور اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ وہی مسیح موعود ہیں ''اربعین'' میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

(دیکھئے اربعین نمبر 3' صفحہ 32 روحانی خزائن ج 17 ص 421)

نشانِ آسمانی (صفحہ 35 روحانی خزائن ج 4 ص 383) جو 1892ء میں طبع ہوئی' میں مرزا صاحب نے اپنے ایک پیرو کار کی مزعومہ شہادت شائع کی ہے کہ اسے ایک گلاب شاہ نامی شخص نے اطلاع دی تھی کہ وہی (مرزا صاحب) وہ مسیح موعود ہیں جس کی آمد کا وعدہ کیا گیا تھا اور جو کتابوں میں عیسیٰ کے نام سے مذکور ہے اور (نشانِ آسمانی صفحہ 24 روحانی خزائن ج 4 ص 384 پر) جس عیسیٰ نے آنا تھا اس کا نام غلام احمد ہے۔

مرزا صاحب نے بہت پہلے 1884ء میں ہی براہین احمدیہ میں کہہ دیا تھا کہ ان میں مریم کی طرح عیسیٰ کا نفخ ہوا ہے اور وہ دس ماہ تک حمل سے رہے اور پھر انہیں مریم سے عیسیٰ بنایا گیا اور وہ ابن مریم بن گئے۔ ممکن ہے کہ اس وقت وہ عیسیٰ کی وفات کے بارے میں اپنے نظریے کے اظہار کو قبل از وقت خیال کرتے ہوں یا ممکن ہے کہ اس وقت تک یہ نظریہ تیار نہ ہوا ہو۔ تاہم ان کے

مسیح موعود عیسیٰ بننے کا ارادہ بالکل واضح ہے اور بعد میں اسے مثلاً ''اربعین'' ''ایک غلطی کا ازالہ'' اور ''کشتی نوح'' میں صاف حقیقت کی شکل میں پیش کر دیا گیا۔ اربعین (مطبوعہ 1900ء) میں مرزا صاحب نے لکھا (نمبر 1' صفحہ 3 روحانی خزائن ج 17 ص 345) کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مطلع کیا کہ وہ اس کی جانب سے مسیح موعود اور مہدی ہیں۔ یہ نکتہ کتاب کے متعدد مقامات پر بتکرار پیش کیا گیا ہے۔ ''ایک غلطی کا ازالہ'' کے صفحہ 6 روحانی خزائن ج 18 ص 210 پر صاف صاف کہا ہے کہ وہ مسیح موعود ہیں۔ یہ امر نا قابلِ فہم ہے کہ وہ دس ہزار مسیح یا اسی تعداد کے مثیلوں میں سے ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ مثیل کا نکتہ صرف رائے عامہ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اختیار کیا گیا۔ کشتی نوح کے صفحہ 47 روحانی خزائن ج 19 ص 50 پر انہوں نے لکھا کہ انہیں (عیسیٰ اور مریم کے بارے میں) اس وحی کی اہمیت کا احساس نہ ہوا' لیکن وقت آیا اور ان پر اسرار کا انکشاف ہوا اور دیکھا کہ مسیح موعود ہونے کے دعوے میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ یہ وہی دعویٰ تھا جسے براہین احمدیہ میں کئی بار بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا گیا تھا۔

مزید کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ انہیں ایک نشان بنائے گا اور الہامی تحریروں میں مریم اور عیسیٰ کے نام انہی کے لیے استعمال ہوئے ہیں اور یہ کہ وہ وہی عیسیٰ بن مریم ہیں جسے آنا تھا۔ وہی حق ہیں اور وہی موعود ہیں۔ (ایضاً' صفحہ 48 روحانی خزائن ج 19 ص 52)

مرزا صاحب نے اپنے پیروکاروں کو مزید پختہ کر لینے کے بعد 1901ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے وہ براہین احمدیہ' حصہ سوم اور چہارم کی اشاعت سے ہی مسلم عوام کو اپنے دعویٰ نبوت کے لیے تیار کر رہے تھے اور پنجاب اور اس وقت کے برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں نے بہت پہلے اس دعویٰ کا اندازہ کر لیا تھا۔ خود مرزا صاحب کے خاندان کے افراد انہیں مسیح موعود اور مہدی موعود کے دعووں سے کئی سال پہلے ہی' جھوٹا مدعی قرار دینے لگے تھے۔ نبوت کا دعویٰ سب سے پہلے ایک رسالہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' (جو بیسویں صدی کے آغاز پر 1901ء میں طبع ہوا) میں کیا گیا۔

حقیقی دعویٰ کرنے سے قبل جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے مرزا صاحب نے نبوت کے بارے میں اپنے مزعومہ الہامات کا تذکرہ کرنے کی سعی کی اور پھر انہیں اس ادعا کے نقاب میں چھپانے کی کوشش کی کہ رسول اور نبی کے الفاظ ان کے لیے استعارے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں نہ کہ حقیقی معنوں میں۔ اربعین (مطبوعہ 1900ء نمبر 2' صفحہ 18 روحانی خزائن ج 17 ص 366 مع حاشیہ) میں انہوں نے اسی کا حوالہ دیا جو وہ پہلے ہی براہین احمدیہ میں کہہ چکے تھے کہ ''یہ خدا کا رسول ہے نبیوں کے حلوں میں۔'' حاشیئے میں یہ کہہ دیا کہ یہ لفظ محض استعارۃً استعمال ہوا ہے۔ اربعین کے صفحہ نمبر 36 (نمبر 3 روحانی خزائن ج 17 ص

426'427) پر لکھا ہے:

''خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔ان کو کہہ دے کہ اگر میں نے افتراء کیا ہے تو میرے پر اس کا جرم ہے یعنی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔''

جھوٹے کی ہلاکت کے اس نظریے کی بنیاد انہوں نے قرآن کریم کی آیت 28:40 کو بنایا (اربعین نمبر 4' صفحہ 5 روحانی خزائن ج17 ص434) **وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ** ''اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے۔''

مرزا صاحب نے آیت کے پہلے حصے کا ترجمہ یوں کیا:

''اگر یہ نبی جھوٹا ہے تو اپنے جھوٹ سے ہلاک ہو جائے گا۔''

یہ ترجمہ درست نہیں' بلکہ اس کے برعکس مسلّمہ اصول یہ ہے کہ ایسے شخص کو لمبی ڈھیل دی جاتی ہے۔اس اصول کا مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اس وقت حوالہ دیا تھا جب مرزا صاحب نے ان میں سے جو کاذب ہے یا غلطی پر ہے' کی موت کی پیشگوئی کی تھی اور کہا تھا کہ ایسا شخص تباہ ہو جائے گا۔

اربعین کے صفحہ 6' نمبر 4 روحانی خزائن ج17 ص435 پر مرزا صاحب نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور باشریعت نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اس غرض سے باشریعت نبی کی تعریف میں چند تبدیلیاں کر دیں۔ایسے نبی کی پہلی تعریف یہ تھی کہ وہ نئی شریعت لے کر آتا ہے یا سابقہ شریعت میں تبدیلی کرتا ہے۔اب انہوں نے شریعت کی تعریف یوں کی:

''جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔پس اس تعریف کی رو سے ہمارے مخالف ملزم ہیں' کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔مثلاً یہ الہام: **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم**۔(قرآن کی آیت نمبر 30:24)

ترجمہ یہ ہے: (تو ایمان والوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔یہ ان کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے) یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تئیس برس کی مدت بھی گزر گئی ہے اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔''

یہ ایک نیا نظریہ تھا اور نبوت با شریعت کے دعوے کو سہارا دینے کی خاطر شریعت کی نئی تعریف پیش کی گئی۔

ملفوظات' جلد 10 (نومبر 1907ء تا 26 مئی 1908ء کی مدت سے متعلق صفحہ 267 ملخص) میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ:

''جو علاماتِ الٰہیہ بھی مجھے ملے ہیں ان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ نئی شریعت یا نئی نبوت یا نبوت با شریعت ہے بلکہ انہیں کثرتِ الہامات کی بنا پر لغوی معنوں کی رو سے نبی یعنی جو خبریں لاتا ہے کہا گیا ہے۔''

یہاں پھر نبوت با شریعت اور نبوت بدون شریعت میں فرق کیا گیا اور یہ دعویٰ بھی اس تعریف سے متصادم ہے جو اربعین (نمبر 4' صفحہ 7) میں کی گئی تھی۔

رسالہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں انہوں نے کہا کہ جہاں بھی انہوں نے نبوت یا رسالت کا انکار کیا ہے' وہ اس معنی میں ہے کہ وہ اپنے ساتھ مستقل شریعت نہیں لائے اور نہ ہی وہ مستقل نبی ہیں' تاہم یہ دعویٰ جہاد کی تنسیخ کے مسئلے سے متضاد ہے کیونکہ جہاد کے بارے میں قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں واضح احکام موجود ہیں۔

دافع البلاء مطبوعہ 1901ء روحانی خزائن ج 18 ص 231 میں مرزا صاحب نے لکھا کہ:

''سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔'' (صفحہ 11)

حقیقۃ الوحی' صفحہ 391 روحانی خزائن ج 22 ص 406' 407 پر لکھا:

''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے' میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں' ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں' کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرتِ امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔''

جہاد کا حکم 1900ء میں منسوخ کیا گیا۔ اربعین (نمبر 4' صفحہ 13 روحانی خزائن ج 17 ص 443) میں بیان کیا گیا کہ:

''اور جمالی رنگ کی زندگی کے لیے مسیح موعود کو آنحضرت ﷺ کا مظہر ٹھہرایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے حق میں فرمایا گیا یضع الحرب یعنی لڑائی نہیں کرے گا۔''

مجموعہ اشتہارات (ج 3 از 1898ء تا 1908ء) صفحہ 19 پر مرزا صاحب نے لکھا کہ:

''میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے' کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔''

''گورنمنٹ انگریزی اور جہاد' کے صفحہ 15 روحانی خزائن ج 17 ص 15 پر لکھتے ہیں:

''دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں' وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔''

(نیز دیکھئے خطبہ الہامیہ' ص 28 روحانی خزائن ج 16 ص 28' تحفہ گولڑویہ (ضمیمہ) صفحہ 41 روحانی خزائن ج 17 ص 77' تجلیات الٰہیہ' صفحہ 8 حاشیہ روحانی خزائن ج 20 ص 400 'تریاق القلوب' صفحہ 17 روحانی خزائن ج 15 ص 159)

مرزا صاحب نے ''نبی'' کی جو تعریف کی ہے وہ اربعین (نمبر 4) سے نقل کی جا چکی ہے۔ یہ کتاب 1900ء میں لکھی گئی تھی اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا' اس میں بھی جہاد کی ممانعت کے احکام موجود ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے مزعومہ نبی ہونے کی حیثیت سے جہاد' جو قرآنی احکام پر مبنی ہے' کو منسوخ کرنے کا حق استعمال کیا ہے اور شریعت کو منسوخ کرنے کا فریضہ انجام دے کر اپنے دعوے کے مطابق نبوتِ تامہ حاصل کی۔ نبوت تامہ کے اس نکتے پر مرزا البشیر احمد نے کلمۃ الفصل' صفحہ 112 اور 113 پر بحث کی ہے۔ اس نے نبوت کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

1............ حقیقی نبوت...... جس میں نبی صاحب شریعت ہوتا ہے۔

2............ نبوت...... جس میں نبی صاحب شریعت نہیں ہوتا۔ اور

3............ ظلی نبوت...... جو قادیانی نکتہ نظر کے مطابق رسول کریم ﷺ کی اتباعِ کامل سے حاصل ہوتی ہے۔

اس اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے کہ ظلی نبوت ایک گھٹیا قسم کی نبوت ہے' مرزا البشیر احمد نے اسے ''نفس کا دھوکہ قرار دیا جس کی کوئی بھی حقیقت نہیں' کیونکہ ظلی نبوت کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان نبی کریم ﷺ کی اتباع میں اس قدر غرق ہو جائے کہ ''من تو شدم تو من شدی'' کے درجہ کو پا لے۔ ایسی صورت میں وہ نبی کریم ﷺ کے جمیع کمالات کو عکس کے رنگ میں اپنے اندر اترتا پائے گا حتیٰ کہ ان دونوں میں قرب اتنا بڑھے گا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی چادر بھی اس پر چڑھائی جائے گی تب جا کر وہ ظلی نبی کہلائے گا۔ پس جب ظل کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے اصل کی پوری تصویر ہو اور اسی پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے تو وہ نادان' جو مسیح موعودؑ کی ظلی نبوت کو ایک گھٹیا قسم کی نبوت سمجھتا ہے یا اس کے معنی ناقص نبوت کے کرتا

ہے وہ ہوش میں آئے اور اپنے اسلام کی فکر کرے کیونکہ اس نے اس نبوت کی شان پر حملہ کیا ہے جو تمام نبوتوں کی سرتاج ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگوں کو کیوں حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت پر ٹھوکر لگتی ہے اور کیوں بعض لوگ آپ کی نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں کیونکہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ آنحضرت ﷺ کے بروز ہونے کی وجہ ظلی نبی تھے اور اس ظلی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ پہلے زمانوں میں جو نبی ہوتے تھے ان کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ ان میں وہ تمام کمالات رکھے جائیں جو نبی کریم ﷺ میں رکھے گئے بلکہ ہر نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے تھے کسی کو بہت کسی کو کم مگر مسیح موعودؑ کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوتِ محمدیہؐ کے تمام کمالات کو حاصل کرلیا۔"

(کلمۃ الفصل ص113)

یہ امر پہلے واضح ہو چکا ہے کہ عیسیٰ بن مریم کی بعثت ثانیہ کے انکار کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ایک نبی تھے اور نبوت تیرہ سو سال پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ مرزا صاحب نے اس اصول کو دوہرے پن سے بلند نہ رہنے دیا۔ ازالہ اوہام (صفحہ 410) میں انہوں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ آنے والے مسیح کو رسول اکرم ﷺ کی امت میں سے نبی کہا گیا ہے لیکن یہ نبوتِ ناقصہ ہوگی۔ بعد میں مرزا صاحب نے اسے نبوتِ کاملہ تشریعی نبوت اور دوسرے نبیوں سے برتر نبوت میں ترقی دے لی۔

مرزا صاحب نے غیر مبہم لفظوں میں کہا کہ جبریل کے بسلسلہ وحی آنے کا باب بند ہے۔ (ازالہ اوہام ص 534 روحانی خزائن ج 3 ص 387)۔ لیکن یہ امر بھی ان کے منصوبے یا پروگرام میں حائل نہ ہوسکا۔ انہوں نے اللہ سے براہِ راست مکالمہ اور مخاطبہ کا دعویٰ کر کے جبرائیل کی ضرورت کو بے اثر کر دیا۔ لیکن یہ اہتمام بھی کافی نہ تھا اور انہیں کامل نبیوں کی سطح پر نہ پیش کر سکا تو انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ ان کے پاس جبرائیل آیا تھا۔ حقیقۃ الوحی (صفحہ 103 روحانی خزائن ج 22 ص 106، 107) میں کہا:

"وقالوا انی لک ھذا' قل ھو اللہ عجیب' جاایل واختار وادار اصبعہ واشاران وعد اللہ اتی فطوبی لمن وجد و رای الامراض تشاع والنفوس تضاع"

مرزا صاحب نے اس کا اردو ترجمہ یوں لکھا ہے:

"اور کہیں گے تجھے یہ مرتبہ کہاں سے حاصل ہوا کہ خدا ذوالعجائب ہے۔ میرے پاس ایل آیا اور اس نے مجھے چن لیا اور اپنی انگلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آ گیا۔ پس مبارک وہ جو اس کو پاوے اور دیکھے کئی طرح کی بیماریاں پھیلائی جائیں گی اور کئی آفتوں سے جانوں کا نقصان ہوگا۔"

حاشیۓ پر مرزا صاحب نے ایل کا ترجمہ جبرائیل بتایا ہے۔ جبرائیل کا نزول نبوت کی تکمیل کی علامت ہے اور یوں مرزا صاحب ایک کامل نبی بن گئے۔

ان عبارتوں سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو ناقص نبی نہیں سمجھا جاتا تھا' بلکہ اس کے برعکس انہیں رسول اللہ ﷺ کی مانند کامل نبی خیال کیا جاتا تھا۔ یہی بات اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ مرزا صاحب کو مرتبے میں دیگر تمام انبیاء سے افضل مانا جاتا تھا۔

مرزا صاحب کی برابری بلکہ برتری کا سراغ براہین احمدیہ' حصہ چہارم میں اپنے بارے میں لکھی ہوئی ان عبارتوں سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اپنے مختلف مزعومہ الہامات کا ذکر کیا ہے جن میں ابراہیم' داؤد' یوسف' عیسیٰ وغیرہ کے اسماء آئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جہاں بھی ان انبیاء کا تذکرہ ہوا ہے' اس سے مراد وہ خود ہیں۔ (دیکھئے براہین احمدیہ صفحات حاشیہ نمبر 554-559 روحانی خزائن ج 1 ص 662 تا 666 حاشیہ نمبر 4)

ملفوظات ج 3 ص 270 ملفوظاتِ احمدیہ' حصہ چہارم' صفحہ 142 پر کہا گیا ہے کہ انبیاء کے کمالات کے بارہ میں مرزا صاحب نے کہا:

''کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے' وہ سب کے سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو (مرزا صاحب کو) عطا کیے گئے اور اسی لیے ہمارا نام آدم' ابراہیم' موسیٰ' نوح' داؤد' یوسف' سلیمان' اور یحییٰ' اور عیسیٰ ہے۔''

اور ایک اور مقام پر کہا:

''پہلے تمام انبیاء ظل تھے حضرت نبی کریم کی خاص صفات کے اور اب ہم (مرزا صاحب) ان تمام صفات میں حضرت نبی کریم کے ظل ہیں۔'' (ایضاً)

ظل اور اصل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ عملاً ایک دوسرے کا ثانی یا ڈہرا ہوتا ہے۔ یہی بات مرزا صاحب کے اس دعوے سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے تمام کمالات میں ان کے ظل ہیں جبکہ دیگر تمام انبیاء میں سے ہر نبی کو کم تعداد میں کمالات حاصل تھے۔ سو یہ امر واضح ہے کہ مرزا صاحب کے مطابق کمال یا افضلیت کے مسائل میں وہ رسول پاک ﷺ کے برابر ہیں اور دیگر انبیاء سے برتر ہیں۔

براہین احمدیہ میں ایسی قرآنی آیات کریمہ، جو رسول اللہ ﷺ کی شان میں نازل ہوئی تھیں، کی شکل میں متعدد ایسے الہامات کا تذکرہ موجود ہے۔ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ تمام آیات خود ان کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہیں اور وہ ان کا مصداق ہیں۔ ایک واضح مثال آیت 28:48 ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق ہے۔ نیز آیات نمبر 17:8، 2:68، 3:31 اور 22:26 وغیرہ۔ اس طرح انہوں نے براہین احمدیہ میں اپنے رسولِ پاک ﷺ کے برابر ہونے کی بنیاد رکھ دی تھی۔

انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان پر تین لاکھ الہامات نازل ہوئے جن میں سے پچاس ہزار مختلف ذرائع سے دولت کے حصول سے متعلق تھے۔ کئی دوسرے مقامات پر مرزا صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ انہیں عطا شدہ نشانیوں کی تعداد ان نشانیوں سے بہت ہی زیادہ ہے جو دوسرے نبیوں مثلاً نوحؑ، یوسفؑ، اور عیسیٰؑ، وغیرہ کو دی گئی تھیں۔

کلمۃ الفصل (ریویو آف ریلیجنز شمارہ 3، جلد 14، صفحہ 147) میں مرزا بشیر احمد نے لکھا کہ یہ ممکن نہیں کہ جو شخص رسول پاک ﷺ کا انکار کرے وہ کافر ہو لیکن جو شخص مسیح موعود کا منکر ہو، وہ کافر نہ ہو۔ اگر ظہور اول کا انکار کفر ہے تو ظہور ثانی، جس میں مسیح موعود کے مطابق اس کی روحانیت زیادہ قوی، اکمل اور اتم ہے، کے انکار کو کفر نہ سمجھا جائے۔

ظہور ثانی مرزا صاحب کی نبوت ہے۔ رسول کریم ﷺ کی روحانیت اور مرزا صاحب کی روحانیت کا موازنہ کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہ زیادہ قوی، اکمل اور اتم ہے اور یہ ان کی رسول پاک ﷺ پر بھی برتری کا پیمانہ ہے۔ یہ امر اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو مرزا صاحب کی زندگی میں رونما ہوا۔ ایک شاعر قاضی اکمل، جو مرزا صاحب کا پیرو تھا، نے ان کی ستائش میں ایک قصیدہ لکھا جو قادیان کے اخبار "البدر" مورخہ 25 اکتوبر 1902ء میں شائع ہوا۔ قصیدے کا ایک شعر تھا:

محمد پھر اُتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر

اپنی شاں میں

(دیکھئے پیغام صلح لاہور، شمارہ 47، جلد 32، مورخہ 30 نومبر 1944ء، قادیانی مذہب، ص 320 طبع دوم 2002ء اخبار بدر قادیان ج 2 نمبر 43 ص 14 مورخہ 25 اکتوبر 1906ء)

اس شعر میں محمدؐ کے پھر اتر آنے کا مطلب یہ ہے کہ محمدؐ مرزا صاحب کی شکل میں دوبارہ آ گئے اور ان کی شان و شوکت رسول اللہ ﷺ کے ظہور سے بڑھ کر ہے۔ (خطبہ الہامیہ ص 271، 272 روحانی خزائن

ج 16 ص ایضاً)

اگلا قدم اپنے اوپر ختم نبوت کا دعویٰ ہے۔ یہ مندرجہ ذیل سے واضح ہوتا ہے:

''محمدی ختم نبوت کی اصل حقیقت کو دنیا میں کماحقہ کوئی نہیں جو سمجھ سکتا ہو سوائے اس کے جو خود حضرت خاتم الانبیاء کی طرح خاتم الاولیاء ہے' کیونکہ کسی چیز کی اصل حقیقت کا سمجھنا اس کے اہل پر موقوف ہوتا ہے اور یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ ختمیت کا اہل یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ یا حضرت مسیح موعود ہے۔''

(تشحیذ الاذہان' قادیان نمبر 8' جلد 12' 1-2 اگست 1917ء)

''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا' پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی' کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں وہ اسی قدر مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے حصہ پالیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صورت میں آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا۔ اس لیے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا' وہ پیشگوئی پوری ہو جاوے۔'' (حقیقۃ الوحی' صفحہ 391 روحانی خزائن ج 22 ص 406' 407)

یہ عبارت مرزا صاحب کے اس نقطہ نظر کو واضح کرتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد وہ واحد نبی ہیں اور ان کا بروز ہونے کی بنا پر وہ اس نام کے مستحق ہوئے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ مرزا صاحب آخری نبی ہیں۔ یہ امر درج ذیل عبارتوں سے مزید واضح ہوتا ہے:

''کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت واخرین منھم لما یلحقوا بھم بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔'' (ایک غلطی کا ازالہ' ص 8 روحانی خزائن ج 18 ص 212)

''میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔'' (کشتی نوح' صفحہ

56روحانی خزائن ج19 ص61)

''ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین اس آیت میں ایک پیشگوئی مخفی ہےاور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہےاور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت ﷺ کا وجود ہے' کسی میں یہ طاقت نہیں کہ کھلے کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا' وہ میں ہوں۔ اس لیے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی ہےاور اس نبوت کے مقابل اب تمام دنیا بے دست وپا ہے' کیونکہ نبوت پر مُہر ہے۔ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدی کے ساتھ آخری زمانے کے لیے مقدر تھا' سو وہ ظاہر ہو گیا۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص11 روحانی خزائن ج18 ص215)

''معلوم ہوا کہ ختمیت ازل سے محمد ﷺ کو دی گئی' پھر اس کو دی گئی جسے آپ کی روح نے تعلیم دی اور اپنا ظل بنایا۔''

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود' ضمیمہ خطبہ الہامیہ' صفحہ ب روحانی خزائن ج16 ص310)

''آخری زمانے کے لیے خدا نے مقدر کیا ہوا تھا کہ وہ عام رجعت کا زمانہ ہو گا تا یہ امت مرحومہ دوسری امتوں سے کسی بات میں کم نہ ہو'پس اس نے مجھے پیدا کر کے ہر ایک گزشتہ نبی سے مجھے اس نے تشبیہ دی کہ وہی میرا نام رکھ دیا۔ چنانچہ آدمؑ' ابراہیمؑ' نوحؑ' موسیٰؑ' داؤدؑ' سلیمانؑ' یحییٰؑ' عیسیٰؑ وغیرہ یہ تمام نام براہین احمدیہ میں میرے رکھے گئے اور اس صورت میں گویا تمام انبیاء گزشتہ اس امت میں دوبارہ پیدا ہو گئے یہاں تک کہ سب کے آخر مسیحؑ پیدا ہو گیا اور جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا۔''

(نزول المسیح' صفحہ 4' روحانی خزائن ج18 ص382 کلمتہ الفصل' صفحہ 133)

ان تحریروں کی توضیح مرزا صاحب کے جانشینوں نے کی۔ مرزا بشیر احمد نے کلمتہ الفصل' ص116 میں کہا:

''اب اگر آپ کے بعد بھی بہت سے نبی آجاتے تو پھر آپ کی شان لوگوں کی نظروں سے گر جاتی کیونکہ آپ کے بعد بہت سے نبیوں کے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ نعوذ باللہ محمد رسول ﷺ کا درجہ اتنا معمولی ہے کہ بہت سے لوگ محمد رسول اللہ ﷺ بن سکتے ہیں' کیونکہ جو کوئی بھی ظلی نبی ہو گا وہ بوجہ نبی کریم ﷺ کے تمام کمالات حاصل کر لینے کے محمد رسول ہی کہلائے گا۔ پس اس لیے امت محمدیہ میں صرف ایک شخص نے نبوت کا درجہ پایا۔''

اس سے معاملہ طے ہو جاتا ہے۔ باب نبوت کو کھولنے کے تمام نظریات تنہا مرزا صاحب ہی کی خاطر تھے اور جو استدلال

باب نبوت کے کھولنے کے خلاف درست تھا' اسے بالآخر اختیار کر لیا گیا' لیکن مرزا صاحب کے مفاد کی خاطر صرف ایک استثناء کرنے کے بعد۔

''اس حقیقت کو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب اعجاز المسیح میں بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور کھول کھول کر بتایا ہے کہ نبی کریمؐ کے دو بعث ہیں۔ بعث اول میں اسم محمدؐ کی تجلی تھی مگر بعث دوم اسم احمد کی تجلی کے لیے ہے۔'' (یعنی مرزا صاحب بطور بروز)

(کلمتہ الفصل' صفحہ 140)

یوں تیسری بعث کی نفی کر دی گئی۔

تخیذ الاذہان قادیان (نمبر 8' جلد 12' صفحہ 11 اگست 1917ء) میں بیان کیا گیا ہے کہ

''آنحضرت ﷺ کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت سارے انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت ساری مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ واقع کرتا ہے۔''

(قادیانی مذہب' صفحہ 248 طبع دوم 2001ء)

اسی پرچے کے شمارہ مارچ 1914ء (نمبر 3' جلد 9' صفحہ 30-32) میں مزید بیان کیا گیا:

''پس ثابت ہوا کہ امت محمدیہ میں ایک سے زیادہ نبی کسی صورت میں نہیں آ سکتے' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت میں صرف ایک نبی اللہ کے آنے کی خبر دی ہے جو مسیح موعود اور اس کے سوا قطعاً کسی کا نام نبی اللہ یا رسول اللہ نہیں رکھا۔ اور نہ کسی اور نبی کے آنے کی آپ نے خبر دی ہے بلکہ **لا نبی بعدی** فرما کر اوروں کی نفی کر دی اور کھول کر بیان فرما دیا کہ مسیح موعود کے سوا میرے بعد قطعاً کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔'' (قادیانی مذہب' صفحہ 249 طبع دوم 2001ء)

اب مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کے ان دعوؤں کا کچھ متضاد بیانات سے موازنہ کیجئے۔

''ایک غلطی کا ازالہ'' (صفحہ 11 روحانی خزائن ج 18 ص 215) میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مُہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ ایک دفعہ بلکہ ایک ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آ جائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا اظہار کریں۔''

لیکچر سیالکوٹ صفحہ 31 روحانی خزائن ج 20 ص 227 پر مرزا صاحب نے کہا:

''لہٰذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبے پر پہنچانے کے لیے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقت آتے رہیں۔''

میاں بشیر الدین محمود نے کہا کہ

''ہزاروں نبی ہوں گے۔'' (انوارِ خلافت' صفحہ 62 از قادیانی مذہب' صفحہ 230 طبع دوم 2001ء)

''ہاں قیامت تک رسول آتے رہیں گے۔''

(الفضل قادیان' مورخہ 27 فروری 1927ء نمبر 68' جلد 14' مرزا بشیر الدین محمود بحوالہ قادیانی مذہب' صفحہ 231)

حقیقۃ النبوۃ' صفحہ 138 پر اس نے ایک مختلف بات کہی ہے کہ

''اس لیے ہم اس امت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں' آئندہ کا حال پردۂ غیب میں ہے۔'' (قادیانی مذہب' صفحہ 229 طبع دوم 2001ء)

ایک سوال کے جواب میں اس نے لکھا:

''آپ کا چوتھا سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب کے بعد کوئی اور نبی آئے گا یا آ سکتا ہے۔ اگر کوئی اور نبی نیا مبعوث ہو تو احمدی لوگ اس پر ایمان لائیں گے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے بعد نبی آ سکتا ہے' آئے گا کے متعلق میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی کتب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا نبی آئے گا' اس پر ایمان لانا احمدیوں کے لیے ضروری ہوگا۔''

(مکتوب میاں بشیر الدین محمود احمد مندرجہ الفضل قادیان مورخہ 29 اپریل 1927ء نمبر 85' جلد 14 بحوالہ قادیانی مذہب' صفحہ 229 طبع دوم 2001ء)

نبیوں کی آمد کے نظریے میں ایک مزید تبدیلی اس کے اس جواب میں نظر آتی ہے جو اس نے اس سوال پر دیا کہ

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام (مرزا صاحب) کے بعد بھی جب نبی آنے کا امکان ہے تو آپ کو آخری زمانے کا نبی کہنے کا کیا مطلب ہے۔''

اس کا جواب یہ تھا:

''آخری زمانے کا نبی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ (مرزا صاحب) کے توسط کے بغیر کسی کو نبوت کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔''

(خطبہ جمعہ میاں بشیر الدین محمود مندرجہ الفضل، نمبر 120، جلد 2، مورخہ 2 مئی 1931ء بحوالہ قادیانی مذہب، صفحہ 229 طبع دوم جدید 2001ء)

مرزا صاحب اور ان کے جانشین کے یہ تمام مختلف بیانات مرزا صاحب کی اس پالیسی کے عین مطابق ہیں کہ ایک ہی کتاب یا رسالے میں بیک وقت یا بعد میں دوسری کتابوں یا رسالوں میں مختلف بلکہ متضاد باتیں کہہ دی جائیں۔ بہر حال مرزا صاحب کی کتابوں اور کلمتہ الفصل اور تشحیذ الاذہان کے اقتباسات اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے حقیقتاً اپنے آخری نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

علامہ اقبال کی آراء سے ان نظریات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"بانی کا اپنا استدلال جو قرونِ وسطیٰ کے متکلمانہ اسلوب سے بالکل ملتا ہے، یہ ہے کہ اگر پیغمبر اسلام کی روحانیت کسی اور نبی کی تخلیق نہ کر سکے تو وہ خود ناقص ٹھہرے گی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ خود اس کی نبوت پیغمبرؐ اسلام کی روحانیت کے تخلیق انبیاء کی صفت سے متصف ہونے کا ثبوت ہے۔ لیکن اگر آپ اس سے مزید سوال کریں کہ کیا حضرت محمدؐ کی روحانیت ایک سے زیادہ نبیوں کی تخلیق کے قابل ہے تو اس کا جواب ہے "نہیں"۔ اس کا حقیقی مفہوم یہ ہوگا: "محمدؐ آخری نبی نہیں ہے آخری میں ہوں۔" تاریخ انسانیت میں عموماً اور تاریخ ایشیاء میں خصوصاً ختم نبوت کے اسلامی عقیدے کی فکری قدر و منزلت کے ادراک سے صرفِ نظر کرتے ہوئے وہ سمجھتا ہے کہ اس معنی میں ختمیت کہ محمدؐ کا کوئی پیروکار مرتبہ نبوت نہ پا سکے، نبوت محمدیہؐ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ جہاں تک میں اس کی نفسیات کا مطالعہ کر سکا ہوں، وہ اپنے دعویٰ نبوت کی خاطر جسے وہ پیغمبرؐ اسلام کی تخلیقی روحانیت قرار دیتا ہے، استعمال کرتا ہے۔ اور پھر اسی لمحہ پیغمبرؐ اسلام کی روحانیت کی تخلیقی صلاحیت کو صرف ایک نبی یعنی بانی تحریک احمدیہ کی تخلیق تک محدود کر کے، ان کی ختمیت کی نفی کرتا ہے۔ سو یوں یہ نیا نبی چپکے سے اس ذات کی ختمیت کو چرا لیتا ہے جسے وہ اپنا روحانی مورث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ پیغمبر اسلام کا بروز ہونے کا مدعی ہے اور دعویٰ کرتا ہے، کہ پیغمبرؐ اسلام کا بروز ہونے سے ان کی ختم نبوت کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اس نے دو ختمیتوں، ایک خود اپنی اور دوسری پیغمبرؐ اسلام کی، کی نشاندہی کر کے ختم نبوت کے معنی کو نظر انداز کیا ہے۔ تاہم یہ امر بالکل واضح ہے کہ بروز کا لفظ کامل مشابہت کے مفہوم میں بھی اس کے کسی کام نہ آئے گا، کیونکہ بروز اصل کے مماثل ہوتا ہے۔ اگر یہ سمجھیں تو پھر بھی دلیل بے کار رہے گی۔ لیکن اگر اسے آریائی معنوں میں تناسخ کے مفہوم میں لیں تو استدلال خوشنما ہو جاتا ہے لیکن اس کا

مصنف چھپا ہوا مجوسی بن کر رہ جاتا ہے۔"

(Thoughts and Reflections of Iqbal از عبدالوحید، صفحہ 266، 268)

یہ واضح ہے کہ شریعت کا ایسا کوئی اصول نہیں جس سے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد کی گنجائش نکلتی ہو اور نہ شریعت میں بروز، حلول، ظل وغیرہ کا کوئی تصور موجود ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ثانیہ اور مہدی کے ظہور کی احادیث کسی بھی طرح مرزا صاحب پر منطبق نہیں ہوتیں، اس لیے انہوں نے اپنے دعووں کی پوری عمارت نہ صرف متن قرآن بلکہ احادیث کی تاویلات پر کھڑی کی۔ قادیان دمشق بنا اور مسجد اقصیٰ قادیان کی مسجد ہے۔

ان کی راہ میں بڑی مشکل عیسیٰؑ تھے۔ اس لیے عیسیٰؑ کو میدان سے ہٹانا ضروری تھا اور یہ مقصد ان کی کشمیر میں اپنی طبعی موت کے تصور سے پورا کیا گیا۔ ان سے عیسیٰؑ جیسے معجزات پیش کرنے کو کہا گیا تو جواب میں انہوں نے عیسیٰؑ اور ان کے معجزات کے دلائل کا مذاق اُڑایا۔

دعویٰ نبوت کا نتیجہ بے قاعدگیوں کے سوا کیا ہوتا۔ ان کے دعویٰ کے یہ جزوی نتائج سامنے آ چکے ہیں۔ مزید خلاف ورزیاں بھی ظاہر ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے رائے بنالی تھی کہ قرآن کریم کی صحیح تفسیر اور حدیث کی صحت کو جانچنے کے صرف وہی اہل ہیں۔

آیئے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں اسلامی نقطہ نظر سمجھ لیں اور ان کے بارے میں مرزا صاحب کا تصور بھی۔

اللہ کے تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانا ایک مسلمان کے ایمان کا جزو ہے۔

- والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاٰخرۃ ھم یوقنون O (البقرۃ، آیت 4)

اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو تجھ پر نازل ہوا اور اس پر جو تجھ سے پہلے نازل ہوا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

- من اٰمن باللہ والیوم ...... والنبیین. (البقرۃ، آیت 77)

جو اللہ پر اور یوم ...... اور نبیوں پر ایمان لائے۔ (نیز آیات 3:179، 7:158، 4:136)

- فامنوا باللہ ورسلہ.

پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

ایک اور مسلمہ اصول یہ ہے کہ مسلمان انبیاء میں تفریق نہیں کرتے۔

- **لا نفرّق بین احد من رسله.** (البقرۃ' آیت285)

ہم اس کے رسولوں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- **لا تخیروا بین الانبیاء.**

انبیاء کے درمیان افضلیت میں ترجیح نہ دو۔

عبداللہؓ بن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما ینبغی لنبی ان یقول انی خیر من یونس بن متی.

کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (ایضاً)

حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ ایک یہودی کو رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ نے پیٹ دیا' تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ آپ کے ایک صحابیؓ نے مجھے پیٹا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اسے کیوں پیٹا ہے؟ اس (صحابیؓ) نے کہا کہ اس (یہودی) نے موسیٰؑ کو آپ ﷺ پر افضلیت دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک نبی کو دوسرے پر افضلیت یا ترجیح مت دو۔''

صحیح بخاری میں اس شکایت پر آنحضرت ﷺ کے سخت ردعمل کا اظہار ان الفاظ میں مذکور ہے:

فغضب النبی ﷺ حتی روی فی وجهه.

نبی ﷺ اس قدر غضبناک ہوئے کہ غضب آپ کے چہرے میں دیکھا گیا۔

قرآنِ کریم حضرت مریمؑ کی پیدائش اور تربیت' حضرت یحییٰؑ کی پیدائش' جو حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دینے والے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا بیان کسی قدر تفصیل سے کرتا ہے۔ (دیکھیے سورۂ آل عمران کی آیات 45 تا 49)

حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے متعلق آیات یہاں درج کی جاتی ہیں:

- **واذکر فی الکتب مریم اذنتبذت من اهلها مکاناً شرقیاًo**

اور کتاب میں مریم کو یاد کر جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب کی جگہ میں جا بیٹھی۔

- **فاتخذت من دونهم حجاباً فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشراً سویّاًo**

پس اس نے اپنے آپ کو ان سے پردے میں کرلیا تو ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا جو اس کے سامنے ایک کامل بشر کی صورت میں نمودار ہوا۔

o **قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیاًo**

وہ بولی کہ اگر تم کوئی خداترس آدمی ہو تو میں تم سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔

o **قال انما انا رسول ربک لا ھب لک غلٰما زکیاًo**

اس نے کہا میں تیرے رب ہی کا فرستادہ ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔

o **قالت انی یکون لی غلٰم ولم یمسنی بشر ولم اک بغیاًo**

وہ بولی میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ نہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ لگایا اور نہ میں کوئی بدکار رہوں۔

o **قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ ایتہ للناس و رحمتہ منا و کان امراً مقضیاo**

اس نے کہا یوں ہی ہوگا۔ تیرے رب کا فرمان ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لیے اپنی ایک نشانی اور اپنی جانب سے رحمت بنائیں اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔

o **فحملتہ فانتبذت بہ مکاناً قصیاًo**

پس اس نے اس کا حمل اٹھالیا اور اسے لے کر ایک دور کے مقام کو چلی گئی۔

o **فاجاء ھا المخاض الی جذع النخلتہ قالت یلیتنی مت قبل ھذا و کنت نسیاً منسیاًo فنادا ھا من تحتھا الا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریاًo وھزی الیک بجذع النخلتہ تسقط علیک رطباً جنیاًo فکلی واشربی و قری عینا فاما ترین من البشر احداً فقولی انی نذرت للرحمن صوماً فلن اکلم الیوم انسیاًo**

پھر اس کو دردِ زہ کھجور کے تنے کے پاس لے گیا۔ اس نے کہا' اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر کھپ کے بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی۔ پس اس کے نیچے سے فرشتے نے اس کو آواز دی کہ مغموم نہ ہو۔ تمہارے نیچے سے تمہارے رب نے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ تو کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا' تجھ پر تازہ خرمے جھڑیں گے۔

پس کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پس اگر تجھے کوئی آدمی نظر آئے تو اسے کہہ دے کہ میں نے رحمٰن کے لیے روزے

کی نذر مان رکھی ہے۔اس لیے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کر سکتی۔

- **فاتت به قومها تحمله قالوا یمریم لقد جئت شیئاً فریاًo**

پس وہ اس کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی۔انہوں نے کہا اے مریم! تو نے تو یہ نہایت عجیب حرکت کر ڈالی ہے۔

- **یا اخت هٰرون ما کان ابوک امرا سوء وما کانت امک بغیاًo**

اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ ہی کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں ہی کوئی بدکار تھی۔

- **فاشارت الیه قالوا کیف نکلم من کان فی المهد صبیاًo**

پس اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔انہوں نے کہا ہم اس سے کس طرح بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہے؟

- **قال انی عبدالله اتنی الکتب وجعلنی نبیاًo**

اس نے جواب دیا میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا ہے۔

- **وجعلنی مبارکاً اَین ما کنت و اوصنی بالصّلوٰة والزکوة ما دمت حیاً o وبراً بوالدتی ولم یجعلنی جباراً شقیاًo**

اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے خیر و برکت والا بنایا ہے اور جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کی ہدایت کی ہے۔اور مجھے ماں کا فرمانبردار بنایا ہے۔اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا ہے۔

- **والسلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیاًo**

مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا' جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

- **ذلک عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیه یمترونo (مریم' آیات 16 تا 34)**

یہ ہے عیسیٰ بن مریم! یہ اصل حقیقت کا بیان ہے جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔

- **اذقالت الملا ئکة یمریم ان الله یبشرک بکلمة منه اسمه المسیح عیسی ابن مریم وجیهاً فی الدنیا والأخرة و من المقربینo ویکلم الناس فی المهد و کهلاً ومن الصٰلحین o قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر قال کذلک الله یخلق ما یشاء اذا قضی امراً فانما یقول له کن**

فیکون o

یاد کرو جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذی وجاہت اور مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرے گا اور ادھیڑ ہو کر بھی اور وہ صالحین کے گروہ میں سے ہوگا۔ وہ بولی میرے پروردگار! میرے کس طرح لڑکا ہوگا جبکہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ارشاد ہوا' اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

o **ویعلمه الکتب والحکمة والتوراة والانجیل o ورسولاً الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بایة من ربکم انی اخلق لکم من الطین کهیئته الطیر فانفخ فیه فیکون طیراً باذن الله وابری الاکمه والابرص واحی الموتی باذن الله وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذلک لأیة لکم ان کنتم مومنین.** (آل عمران' آیت 45 تا 49)

اور اللہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔ اور اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ (چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کو دعوت دی) کہ میں تمہارے خداوند کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں' میں تمہارے لیے مٹی سے پرندوں کی صورت کے مانند صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مار دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے واقعی پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے اور ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں۔ بے شک ان باتوں کے اندر تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔

آیت نمبر 49 حضرت عیسیٰؑ کے ان معجزات کو بیان کرتی ہے جو انہیں بطور نشانی عطا کیے گئے تھے۔ تاہم کئی آیات کریمہ میں حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے تصور کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً آیات نمبر 3:59 اور 4:171 اور 4:172 وغیرہ۔

مرزا صاحب نے ایک طرف اللہ کے تمام انبیاء اور رسل پر برتری کا دعویٰ کیا اور دوسری طرف انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰؑ کے خلاف ہتک آمیز زبان استعمال کی۔ انہوں نے عیسیٰؑ پر برتری کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا:

- ''خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ مجھے قسم ہے اس

ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں ہوتا تو وہ کام جو میں کرسکتا ہوں وہ ہرگز نہ کرسکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز دکھلا نہ سکتا۔" (حقیقۃ الوحیٰ صفحہ 148 روحانی خزائن ج 22 ص 152)

قرآن کریم کی آیت نمبر 3:49 میں حضرت عیسیٰ کے معجزات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن جاتا۔ وہ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر لیتے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یہ ان کی نشانیاں تھیں۔ مرزا صاحب نے مسیح موعود اور مثیل عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تو انہیں بھی کچھ ایسے معجزات دکھانے کو کہا گیا' تو انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا انکار کر دیا اور کہا کہ قرآن کریم میں معجزات کا بیان صرف بطور تشبیہ ہے۔

انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ایسے معجزات پر اعتقاد رکھنے کی مذمت کی اور اسے "صریح الحاد اور سخت بے ایمانی" قرار دیا (ازالہ اوہام' صفحہ 296 روحانی خزائن ج 3 ص حاشیہ 250)۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کے ہونے کا انکار کرتے ہوئے لکھا کہ

- "آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا۔ اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص حاشیہ 16 روحانی خزائن ج 11 ص حاشیہ 390)
- "اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہوسکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے..........اور آپ کے ہاتھ میں سوا مکر اور فریب کے اور کچھ نہ تھا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم' حاشیہ ص 7 روحانی خزائن ج 11 حاشیہ ص 291' ازالہ اوہام' صفحہ 322 روحانی خزائن ص 263)

مرزا صاحب نے لکھا کہ

- "اب یہ بات یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذنِ حکم الٰہی اس عمل الترب (مسمریزم) میں کمال رکھتے تھے۔" (ازالہ اوہام ص حاشیہ 38 روحانی خزائن ج 3 ص حاشیہ 257)

پھر انہوں نے ایک مختلف موقف اختیار کرتے ہوئے لکھا:

- "سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے۔" (ازالہ اوہام' صفحہ حاشیہ 303

روحانی خزائن ج 3 ص حاشیہ 254)

یا

- ''یہ صرف عمل الترب (مسمریزم) تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا۔''

(ازالہ اوہام' ص حاشیہ 322 روحانی خزائن ج 3 ص 263)

اور

- ''اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدائے تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے قوی امید رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ تھا۔''

(ازالہ اوہام ص حاشیہ 309 روحانی خزائن ج 3 ص حاشیہ 258)

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بارے میں مرزا صاحب نے کہا:

- ''اور جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزار ہا کیڑے مکوڑے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو پھر حضرت عیسیٰؑ کی اس پیدائش سے کوئی بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی بلکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا بعض قویٰ سے محروم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔'' (چشمہ مسیحی' صفحہ 27 روحانی خزائن ج 20 ص 356)
- اس سے عیسیٰؑ کے بارے میں مرزا صاحب کی اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ عیسیٰ ہیجڑا اور مردانہ صفات سے عاری ہونے کی بناء پر شادی نہ کر سکا۔ (دیکھئے مکتوباتِ احمدیہ' جلد 3' صفحہ 28)

مرزا صاحب نے کہا کہ

- ''آپ (عیسیٰؑ) کا شجرۂ نسب انتہائی گندہ تھا' تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں''...... (ضمیمہ انجام آتھم' صفحہ 7 حاشیہ روحانی خزائن ج 11 ص 291 حاشیہ)

نیز الزام لگایا کہ

- ''ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات پر غصہ آ جاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے...... آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔'' (ایضاً' صفحہ 5 حاشیہ روحانی خزائن ج 11 ص 289)

- ایک دفعہ مرزا صاحب کو افیون کے استعمال کا مشورہ دیا گیا تو فوراً بولے کہ پھر لوگ کہیں گے کہ پہلا مسیح شرابی تھا اور دوسرا افیون خور۔ (نسیم دعوت ص 69 روحانی خزائن ج 19 ص 434)

میں نے صرف چند ایسے اقتباسات پیش کیے ہیں جن میں مرزا صاحب نے اللہ کے ایک عظیم نبی کے بارے میں حقارت آمیز، نفرت انگیز اور گھٹیا کلمات استعمال کیے ہیں۔ میں نے ان حوالوں کو پیش کرنے سے عموماً احتراز کیا ہے جن کے بارے میں ان کا بہانہ یہ ہے کہ وہ ان عیسائی مشنریوں کے ساتھ مناظروں میں ردعمل کے طور پر کہے گئے تھے جو رسول کریم ﷺ کی شان میں زیادہ گندی زبان استعمال کرتے تھے۔ کوئی مناظرہ باز اسے جائز سمجھے تو سمجھے لیکن اسلام کسی بھی نبی یا رسول کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ عہد نامہ قدیم میں کئی انبیاءؑ مثلاً نوحؑ اور لوطؑ کے بارے میں کئی نفرت انگیز باتیں ہو سکتی ہیں لیکن اسلامی عقیدے کی رو سے نبی معصوم ہوتا ہے۔ لوگوں کا ایسا رہنما، جس کا مشن ہی ان کو نیکی کی تعلیم و تربیت دینا ہو، وہ خود نیک ہی ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے حمل اور عیسیٰؑ کی ولادت کا تذکرہ بہت عمدہ انداز میں کیا گیا ہے لیکن مرزا صاحب نے اسے برسات کے موسم میں کیڑے مکوڑوں کی پیدائش سے تشبیہ دے دی ہے۔ مرزا صاحب ایک تالاب کی مٹی میں معجزاتی خصوصیات تسلیم کرنے کو تیار ہیں لیکن ایک نبی اللہ کے معجزات کو نہیں مانتے۔

- یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب نے اپنے کمرے کے قریب واقع مسجد کو بیت الذکر کا نام دیا تھا۔

براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے یہ کہتے ہوئے کہ جو کوئی اس میں داخل ہوتا ہے، امن میں ہے، اسے مکہ کے کعبہ یا بیت الحرام کی خصوصیت دے دی ہے۔

دوسرا قدم یہ تھا کہ قادیان کا مرتبہ بڑھا کر اسے مکہ کے مساوی قرار دیا جائے۔ انہوں نے دُرِثمین صفحہ 52 پر لکھا:

- زمین قادیان اب محترم ہے ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

اپنے طور پر اس شعر کی کوئی زیادہ معنویت نہ ہوتی لیکن دوسرے حالات کے پیش نظر یہ بہت ہی متعلق ہے۔

- آئینہ کمالاتِ اسلام (صفحہ 352 روحانی خزائن ج 5 ص 352) میں مرزا صاحب نے قرار دیا کہ "قادیان میں منعقدہ سالانہ جلسے میں شرکت کا ثواب نفلی حج سے زیادہ ہے۔"

- مرزا صاحب نے صاحبزادہ عبداللطیف کو حج پر جانے سے روک دیا۔ وہ احمدیت کی تعلیم پانے کے لیے قادیان میں رک

گیا۔(اخبار الفضل قادیان ج20 نمبر 80 ص 4 مورخہ 5 جنوری 1933ء قادیانی مذہب ص 441 طبع دوم جدید 2001ء)

- ''مرزا بشیر الدین محمود احمد نے قادیان آنے کو حج کے برابر قرار دیا۔'' (خطبہ جمعہ میاں محمود احمد مندرجہ برکات خلافت مجموعہ تقاریر 1914 قادیانی مذہب ص 440 طبع دوم 2001ء)
- مرزا صاحب نے اپنی مسجد کو مسجد الاقصیٰ کا نام دیا۔

(دیکھئے آیت قرآن نمبر 1:17، تبلیغ رسالت جلد 9، صفحہ 37 مجموعہ اشتہارات ج 3 ص 286)

اس کا مشرقی مینارہ بنوایا جا رہا تھا کیونکہ رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ مسیح دمشق کے مشرقی مینارے پر نازل ہو گا۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ نزول (بیت المقدس کی) مسجد الاقصیٰ سے ہو گا۔ اس طریقے پر جسے معقولیت کا مذاق ہی کہا جا سکتا ہے، مرزا صاحب نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی کہ مذکورہ بالا مینارہ مسجد الاقصیٰ کا ہی ہے، اس لیے قادیان میں واقع ان کی مسجد کا مینارہ تعمیر کر دیا جائے تاکہ رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی کا منشا پورا ہو جائے۔ (ایضاً، صفحہ 38 مجموعہ اشتہارات ج 3 ص 287)

مرزا صاحب نے قرآن کریم کی آیت 1:17،

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی برکنا حولہ لنریہ من ایتنا انہ ھو السمیع البصیر.

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت 1)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے گئی ایک شب مسجد الحرام سے اس مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد کو ہم نے برکت بخشی تاکہ ہم اس کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک سمیع و بصیر وہی ہے۔

جو رسول اللہ ﷺ کی معراج کے بارے میں ہے، کا حوالہ دیا اور اسی طریقہ استدلال کو اختیار کرتے ہوئے کہا کہ

- ''رسول اللہ ﷺ معراج کی رات کعبہ (مکہ) سے قادیان کی مسجد اقصیٰ تک سیر فرما ہوئے۔'' (ایضاً، صفحہ 39، 40 مجموعہ اشتہارات ج 3 حاشیہ ص 289)

شریعت پٹیشن نمبر 2/ ایل 1984ء کے درخواست دہندہ کیپٹن عبدالواجد، جو احمدیوں کے لاہوری گروہ کے رکن ہیں، کے دلائل عموماً دوسری شریعت پٹیشن کے درخواست دہندہ مسٹر مجیب الرحمٰن کے دلائل کا اعادہ تھے، تاہم انہوں نے احمدیوں کے لاہوری گروہ اور قادیانی گروہ کے عقائد کے مابین فرق کا نکتہ اٹھایا اور کہا کہ لاہوری گروہ مرزا صاحب کی نبوت کا عقیدہ نہیں رکھتا

اور نہ ہی مرزا صاحب نے کبھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔لاہوری گروہ کے لوگ حضرت محمد ﷺ کی غیر مشروط اور قطعی ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مرزا صاحب کو مہدی موعود، مسیح موعود، مجدد اور محدث، نبوت سے کم ہر چیز سمجھتے ہیں۔اس بارے میں انہوں نے کئی کتابوں، جن میں ازالہ اوہام، نشان آسمانی، آئینہ کمالاتِ اسلام، حمامتہ البشریٰ، ایام صلح وغیرہ شامل ہیں، کا سہارا لیتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مرزا صاحب نے کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ان پر یہ امر واضح کیا گیا کہ اس بارے میں مرزا صاحب کی متعلقہ تحریریں 1901ء سے لے کر 1908ء تک کی تحریریں ہوں گی اور ''ایک غلطی کا ازالہ'' ایک بنیادی تحریر ہے۔انہوں نے اس رسالے کے کچھ حصے پڑھے لیکن وہ نہیں جو موضوع سے متعلق ہیں۔

کیپٹن عبدالواجد نے اس بات کا انکار کیا کہ مرزا صاحب یا قادیانیوں کے لاہوری گروہ نے کبھی امت مسلمہ یا جو بھی کلمہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کا رسول ہے) پڑھتے ہوں، کو کبھی مرزا صاحب کے بارے میں ان کے عقیدے کی وجہ سے کافر قرار دیا ہو۔تاہم انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جو مسلمان مرزا صاحب کو کافر کہتے ہیں، وہ اس الزام کے بعد کافر ہو جاتے ہیں۔

ان دونوں دعووں میں کوئی وزن نہیں۔مرزا صاحب کی تحریروں سے واضح ہو گا کہ نہ صرف انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ لاہوری گروہ کا بانی (مولوی محمد علی) بھی 1914ء تک، جب اس نے احمدیوں کی بڑی جماعت سے علیحدہ ہو کر اپنا گروہ بنا لیا، انہیں نبی مانتا رہا۔اس مفروضے کی تائید میں عبدالقادر کی کتاب ''حیاتِ طیبہ'' جو مرزا صاحب کی سوانح حیات ہے، سے حوالے دیے جا سکتے ہیں۔صرف دو اقتباسات کافی ہوں گے۔

صفحہ 299 پر بیان کیا گیا ہے کہ 1904ء میں مولوی کرم الدین کے مقدمہ میں محمد علی استغاثہ کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوا اور حلفاً بیان دیا کہ

''مکذب مدعی نبوت کذاب ہوتا ہے۔مرزا صاحب ملزم مدعی نبوت ہے۔''

صفحہ 300 پر مولوی محمد علی کی تحریر، جو اس کے اخبار ''پیغام صلح'' مورخہ 16 اکتوبر 1913ء میں شائع ہوئی تھی، میں سے مندرجہ ذیل اقتباس نقل کیا گیا ہے:

''ہم حضرت مسیح موعود اور مہدی موعود کو اس زمانہ کا نبی، رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔''

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہے کہ مولوی محمد علی اور اس کے ساتھی مرزا صاحب کو ان کی زندگی اور ان کے گدھی

نشین حکیم نورالدین کے زمانہ تک نبی مانتے رہے۔ یہ بعد کی بات ہے کہ جب مولوی محمد علی احمدیوں کی عام جماعت سے علیحدہ ہوا تو اس نے یہ مختلف موقف اختیار کرلیا کہ

''امت کے اندر ہو کر بھی نبوت کا دعویٰ کرنا کذاب کا کام ہے۔''

(النبوۃ فی الاسلام' صفحہ 115)

اور یہ کہ

''میں مرزا صاحب کو نبی قرار دینا نہ صرف اسلام کی بیخ کنی سمجھتا ہوں۔''

(پیغام صلح' جلد 2' صفحہ 119' مورخہ 16 اپریل 1915ء)

جب مرزا صاحب نے صرف مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو انہیں کفر کے فتوے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی فتویٰ ان کے پیروؤں پر بھی منطبق ہوتا تھا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی' جنہوں نے براہین احمدیہ کے کچھ اجزاء کی تحریر کرنے پر مرزا صاحب کی تعریف کی تھی' ان دعووں کی بنا پر حقیقت حال سے آگاہ ہو گئے' اور ان کے سخت مخالف بن گئے۔ انہوں نے نہ صرف خود ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا بلکہ اس پر تمام ہندوستان کے علماء کی ایک بہت بڑی تعداد کے دستخط حاصل کیے۔

(حیاتِ طیبہ از عبدالقادر' صفحہ 132)

تاہم ان فتووں سے متاثر ہوئے بغیر اس نکتے کا معروضی مطالعہ ہونا چاہیے۔ مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کی تحریروں کے اقتباسات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب نے نبی ہونے کا غیر مبہم دعویٰ کیا تھا اور ان تمام لوگوں کو' جنہوں نے ان کا دعویٰ قبول نہیں کیا تھا' کافر قرار دیا تھا۔

اب اسلام کا ان لوگوں کے بارے میں کیا موقف ہے' جو ایک کافر کے واضح کفر کو نظر انداز کریں یا اس سے آنکھیں بند کر لیں اور اسے مامور من اللہ' مجدد' مسیح موعود اور مہدی مانیں' حالانکہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیا کفر کی تائید کفر نہیں ہے۔

اسلام کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ جو شخص کفر کو نیکی سمجھے یا اس پر راضی ہو جائے یا اس پر خوش ہو جائے' وہ مسلمان نہیں ہے۔
(اکفار الملحدین از مولانا انور شاہ کشمیری' صفحہ 59)

البحر الرائق' جلد 5' صفحہ 24 پر لکھا ہے کہ جو یہودی احبار کے خطبوں کو مستحسن خیال کرے اور ان کی تاویل کو پسند کرے' وہ

کافر ہے۔ مرزا صاحب نے اس اصول کو کچھ زیادہ صاف گوئی میں پیش کرتے ہوئے لکھ دیا کہ

''اور کافر کو مومن کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے'' (حقیقتہ الوحیٰ صفحہ 164 روحانی خزائن ج 22 ص 168)

قرآن کریم کی آیت نمبر 2:256 اس نکتے پر موزوں ہے اور وہ یہ ہے:

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم.

(البقرۃ آیت 256)

دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے۔ تو جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مواقع پر لفظ ''طاغوت'' اللہ کے مقابل کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ دیکھئے مذکورہ بالا آیت' نیز آیت نمبر 16:36 (اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو) اور آیت نمبر 4:76 (جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں)۔

طاغوت شیطان' ساحر' کاہن اور ضلالت کے لیڈر کے معانی کو متضمن ہوتا ہے۔ جوہری کہتا ہے:

"الطاغوت الکاھن والشیطان و کل راس فی الضلال." (قرطبی)

(طاغوت' کاہن' شیطان اور گمراہی کا ہر لیڈر ہوتا ہے)

کل راس فی الضلال (ضلالت کا ہر لیڈر) میں کسی ایسے مذہب یا نظریے کا بانی جو لوگوں کو گمراہ کرے یا جو صراط مستقیم کے مخالف ہو' شامل ہے۔ (ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ' جواب سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کے جج ہیں' جلد اول' صفحات 179' 180)

اسی بناء پر اس آیت نمبر 2:256 میں مستعمل لفظ ''طاغوت'' کا ترجمہ مختلف مترجمین نے مختلف کیا ہے۔ پکھتل نے اس کا ترجمہ ''جھوٹا خدا'' جبکہ آربری نے ''بت'' کیا ہے۔ مولانا محمود حسن نے اس کا ترجمہ ''گمراہ کرنے والا'' کیا ہے۔ یہ بہت ہی مناسب ترجمہ ہے اور سب کو شامل کرتا ہے۔ یہ ایسے شخص کو شامل ہے' جو الحاد کے کسی مذہب کی بنیاد رکھتا ہے۔

ایک مومن یا مسلمان کا وصف یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھے اور طاغوت جس میں جھوٹا نبی شامل ہے' کا کفر یا انکار کرے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص ایک جھوٹے نبی، ضلالت کے لیڈر یا کسی ایسے مذہب کے بانی جو اسلام سے انحراف ہو، کا انکار نہیں کرتا، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا خواہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہو۔ ایسے شخص کا معاملہ جو طاغوت اور اللہ تعالیٰ دونوں پر ایمان رکھے اس سے بھی بدتر ہوگا۔ اسے کسی بھی تصور یا تاویل سے مسلمانوں کے مساوی درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا۔ ''سد ذرائع'' کے اصول کی رو سے بھی امت کو انتشار سے بچانے کی خاطر ایسے گمراہ شخص کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا چاہئے تاکہ طاغوت پر اعتقاد کے شر سے امت مسلمہ محفوظ رہے۔

مرزا صاحب نے رسالہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں پہلی دفعہ نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تحریر سے چند روز پہلے ایک ''مخالف'' نے مرزا صاحب کے ایک پیروکار پر یہ اعتراض کیا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ پیروکار نے اس الزام کا انکار کر دیا۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ یہ انکار درست نہ تھا۔ حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں، نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں...... اور براہین احمدیہ میں، جس کو طبع ہوئے بائیس برس ہوئے، یہ الفاظ کچھ تھوڑے نہیں ہیں، چنانچہ وہ مکالمات الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے:

''ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ.

(دیکھو صفحہ 498، براہین احمدیہ)

اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد اسی کتاب میں میری نسبت یہ وحی اللہ ہے جری اللہ فی حلل الانبیاء یعنی خدا کا رسول نبیوں کے حلول میں (دیکھیں براہین احمدیہ، صفحہ حاشیہ 504) پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے:

''محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم''

قرآن کریم کی آیت نمبر 29:48، ترجمہ یوں ہے: (محمد اللہ کا رسول ہے اور جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت اور آپس میں نرم ہیں)

''اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی...... اسی طرح براہین احمدیہ میں اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد کیا گیا۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص 2-3 روحانی خزائن ج 18 ص 206، 207)

پھر مرزا صاحب نے اس اعتراض پر بحث کی ہے کہ چونکہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں' ان کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ آمد بحیثیت نبی کے مسلمانوں کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کی آیت کا معنی یہ ہے کہ

''آنحضرت ﷺ کے بعد پیش گوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرۃ صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنافی الرسول کی۔''

مرزا صاحب مزید کہتے ہیں:

''پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے۔ اس لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لیے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔ اس لیے اس کا نام آسمان پر محمدؐ اور احمدؐ ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کی نبوت آخر محمدؐ کو ہی ملی' گو بروزی طور پر۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص 3'4 روحانی خزائن ج 18 ص 207'208)

نیز صفحہ 5 روحانی خزائن ج 18 ص 209 پر انہوں نے لکھا:

''پس باوجود اس شخص کے دعویٰ نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمدؐ اور احمدؐ رکھا گیا پھر بھی سیدنا محمد خاتم النبیین ہی رہا' کیونکہ یہ محمد ثانی اسی محمد ﷺ کی تصویر اور اسی کا نام ہے۔''

انہوں نے مزید لکھا:

''نام محمدؐ اور احمدؐ سے مسمی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔'' (روحانی خزائن ج 18 ص 211)

قرآن کریم کی آیت نمبر 3:62

واخرین منهم لما یلحقوا بهم

(اور انہی میں سے ان دوسروں میں بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے)

کو بھی مرزا صاحب نے اسی طرح توڑ مروڑ کر اور غلط معنی پہناتے ہوئے اپنے نظریے پر چسپاں کرنے اور اپنے سمیت مستقبل کے نبیوں پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے:

میں ...... بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے' پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ (صفحہ 8 روحانی خزائن ج 18 ص 212)

قرآن کریم کی آیت نمبر 3:62 کو اس سے قبل کی آیت 2:62 سے ملا کر پڑھنا چاہیے۔ ان کا تعلق آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد سے ہے کہ

''اسی نے بھیجا ہے امیوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ اور انہی میں سے ان دوسروں میں بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔''

(خط کشیدہ اس حصے کا ترجمہ ہے جس سے مرزا صاحب نے غلط مفہوم نکالا ہے)

یہ دونوں آیات (2:62 اور 3:62) صرف ایک ہی نبی یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کرتی ہیں۔ ان کا واضح مفہوم یہ ہے کہ ان کا پیغام جو وحی الٰہی یعنی آیات کریمہ اور حکمت پر مشتمل ہے' کی تعلیم ان کی وفات کے بعد آئندہ نسلوں میں جاری رہے گی۔ ان آیات میں آئندہ ہونے والے نبیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیونکہ نبوت پر مُہر لگ چکی ہے۔

انہوں نے پھر اپنی بروزی نبوت کا دعویٰ دُہرایا اور لکھا:

''اسی لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمدؐ ہوا' پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس ہی رہی۔'' (صفحہ 12 روحانی خزائن ج 18 ص 216)

یہ واضح ہے کہ مرزا صاحب کے اس ادعا کہ وہ خود محمدؐ اور احمدؐ (رسول اللہ ﷺ کے اسماء گرامی) ہیں' کے نتائج سخت اضطراب کا باعث بنے۔ مرزا صاحب کے ساتھی رسول کریم کے صحابہ بن گئے۔ مسلمانوں کے کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں محمد سے مراد مرزا صاحب ہو گئے۔ جہاں بھی لفظ محمد پڑھا یا لکھا جائے اس سے مراد مرزا صاحب ہو گئے۔

اب خود اسی تصور کا تجزیہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر عبدالقادر محمود کی کتاب ''الفلسفۃ الصوفیۃ فی الاسلام'' کے صفحات 5 تا 11 میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ظلی اور بروزی کے معانی ہندوؤں کے ہاں حلول اور تناسخ کے تصورات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ بروز کا معنی اوتار ہے۔ اپنے لیکچر سیالکوٹ مورخہ 2 نومبر 1904ء (صفحہ 33' 34 روحانی خزائن ج 20 ص 228' 229) میں کہتے ہیں:

- ''آخر یہ بھی واضح ہو کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے۔''
- ''اور جیسا کہ خدا نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے' ایسا ہی میں ہندوؤں کے لیے بطور اوتار کے ہوں...... اب یہ واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے' درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا...... اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا...... خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔''

ضمیمہ رسالہ جہاد (مطبوعہ 1900ء) میں انہوں نے لکھا:

- ''سو اس وقت خدا نے مجھے...... حضرت عیسیٰ مسیح کا اوتار کر کے بھیجا ایسا ہی اس نے ...... میرا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا اور مجھے توحید پھیلانے کے لیے تمام خو اور بو اور رنگ اور روپ اور جامہ محمدی پہنا کر حضرت محمد ﷺ کا اوتار بنا دیا۔ سو میں ان معنوں میں عیسیٰ مسیح بھی ہوں اور محمدؐ مہدی بھی ...... اور یہ وہ طریق ظہور ہے جس کو اسلامی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں۔''

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد (ضمیمہ رسالہ جہاد) ص 5' 6 روحانی خزائن ج 17 ص 27' 28)

اسلام کی صاف وشفاف شریعت میں حلول یا تناسخ کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ ان اصطلاحات کا رواج ایسے لوگوں مثلاً مزدک اور لیمان کی جانب سے ہوا جو تناسخ کے قائل تھے۔ اسی طرح اسلام میں ظلیت کا بھی کوئی تصور تک موجود نہیں۔ (خاتم النبیین' مولانا انور شاہ کشمیری' صفحہ 210)

مولانا محمد یوسف بنوری ''موقف ملۃ الاسلامیہ'' میں لکھتے ہیں کہ مذاہب کے تقابلی مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ظلیت اور بروز کا سارا نظریہ ہندو تصور ہے اور اسلام میں ایسا کوئی تصور موجود نہیں۔ نیز عبدالقادر بغدادی (م 429ھ) نے بھی کہا ہے کہ حلول کی دلیل جھوٹی اور بے کار ہے۔

(اصول الدین' صفحہ 72)

مجدد الف ثانی' جن کی تحریروں پر مرزا صاحب اعتماد کرتے ہیں' بھی نبوت میں ظل کے تصور کی تردید کرتے ہوئے اپنے مکتوب نمبر 301 میں کہتے ہیں کہ نبوت قربِ الٰہی سے عبارت ہے۔ اس میں ظلیت کا کوئی اشارہ یا اشتباہ تک موجود نہیں ہوتا۔

درخواست دہندگان کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ قادیانی' امت مسلمہ کا حصہ ہیں اور محض عقیدے کے اختلافات کی بناء پر امت کے ایک رکن کو اس سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تعریف کی رو سے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا عقیدہ رکھے' وہ مسلمان اور امت مسلمہ کا رکن ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیت نمبر 49:4 کا حوالہ دیا کہ ''جو شخص مسلمان ایسا سلام (السلام علیکم یعنی تم پر سلامتی ہو) کہے' اسے غیر مسلم نہیں کہنا چاہیے۔'' نیز فقہاء کی ان آراء کا حوالہ دیا کہ جو لا الہ الا اللہ پڑھے' اسے (جہاد میں) قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ چند احادیث پیش کیں جن پر ان آراء کی بنیاد ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ امت یا امت مسلمہ کیا چیز ہے؟

لفظ امت (جمع امم) مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً لوگ یا افراد (آیت نمبر 211:43) طریقہ یا اصول (آیت 23:43)' مدت (آیت نمبر 7:11)' راہنما یا قائد (آیت 12:16)' قوم (آیت 36:16) ایک ہی نبی یا ایک ہی دین کے پیروکار (آیات 213:2 اور 92:21) (دیکھئے غریب القرآن فی لغتہ القرآن از علامہ شیرازی' صفحہ 18' 19' نیز عمدۃ القاری' جلد 5' صفحہ 198)

امام راغب کہتے ہیں کہ امت ہر ایسی جماعت ہے جو کسی امر میں مشترک ہو۔ (جو نظریئے' عقیدے اور سماجی' ثقافتی' معاشی' سیاسی اور دینی خواہشات کے اشتراک کو شامل ہے)۔

(المفردات فی غریب القرآن' صفحہ 23)

اس کی واضح مثال قرآن کریم کی درج ذیل آیت ہے:

- **وما من دابة فی الارض ولا طئر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شئی ثم الی ربهم یحشرون.** (الانعام' آیت 38)

اور کوئی جانور نہیں جو زمین پر چلتا ہو اور کوئی پرندہ نہیں جو دونوں بازوؤں سے اڑتا ہو مگر یہ سب تمہاری ہی طرح جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' پھر یہ سب اپنے پروردگار کے حضور اکٹھے کیے جائیں گے۔

اس آیت میں جانوروں کی ہر اس نوع کو شامل کیا گیا ہے جو ایک ہی طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں مثلاً مکڑی اپنا جالا بنتی ہے اور سفید مور اپنا گھونسلا تنکوں سے بناتے ہیں۔

قرآن کریم کی رو سے سب انسان ایک ہی امت تھے۔ (آیت 213:2) پھر بعد میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور

امت کے تعین کے لیے جماعتی رشتہ گروہی رشتہ یا دینی رشتہ ہی فیصلہ کن عنصر قرار پائے۔

آیت نمبر 48:5 میں ارشاد ہوتا ہے:

- ولو شاء الله لجعلكم امة واحدة.

(اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی جماعت بنا دیتا)

جماعت کی وحدت سے مراد ایمان میں متحد ہونا ہے۔(ایضاً' صفحہ 23)

بعض اوقات لفظ امت سے مراد ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی جانب کسی پیغمبر کی بعثت ہوتی ہے۔(دیکھئے آیات 47:10' 44:23' 24:35 اور 5:40)اور کبھی اس کا اطلاق ایسے لوگوں پر ہوتا ہے جو کسی ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں۔ (آیات 48:5' 93:16' 67:22 اور 2:42)۔اول الذکر کو امتہ الدعوۃ اور دوسری کو امتہ الاجابہ کہا جاتا ہے۔ (دیکھئے کشاف اصطلاحات الفنون تھانوی' حصہ اول' صفحہ 91)

قرآن کریم میں حضرت محمد ﷺ کی امت کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے۔آیت 3:110 میں ارشاد ہوتا ہے:

- كنتم خير امة اخرجت للناس.

(تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے کھڑا کیا گیا ہے)

اور پھر اسی امت کی صفات کا بیان ہوا ہے:

- تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تومنون بالله.

(تم بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

اور پھر یہی آیت بہترین امت اور اہل کتاب کے مابین فرق کو واضح کرتی ہے:

- ولو امن اهل الكتاب لكان خيرا لهم منهم المومنون واكثر هم الفاسقون.

(سورۂ آل عمران' آیت 110)

(اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے لیے یہ بہتر ہوگا۔ان میں سے کچھ تو مومن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں)

آنحضرت ﷺ نے فنی طور پر امت کے لفظ کو دونوں معنی یعنی آپؐ پر ایمان رکھنے والوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی جماعت اور صرف آپؐ پر ایمان رکھنے والوں کی جماعت کے لیے استعمال فرمایا ہے۔آپؐ نے یہ لفظ ان دونوں معانی کے

لیے ''میثاق مدینہ'' میں استعمال فرمایا ہے۔ میثاق کا دیباچہ یوں ہے:

هذا کتاب من محمد النبی بین المومنین والمسلمین من قریش یثرب و من تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم فانهم امة من دون الناس.

یہ نوشتہ ہے محمد نبی کی طرف سے قریش یثرب کے مومنوں اور مسلمانوں کے درمیان اوران لوگوں کے درمیان جوان کے تابع ہوں اوران میں شامل ہو جائیں اوران کے ہمراہ جہاد میں شامل ہوں۔ پس وہ دوسرے لوگوں کے مقابل میں ایک امت ہیں۔

اسی میثاق کی دفعہ 26 میں یہ الفاظ ہیں:

ان یهود بنی عوف امة مع المسلمین.

بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہیں۔

(سیرت ابن ہشام' جلد اول' صفحہ 554 ' اردو ترجمہ)

جو لوگ معاہدے میں فریق ہیں وہ گروہ ہیں یعنی ان میں سے ہر ایک' ایک امت ہیں۔

اور وہ یہودی جو بعد میں اس میثاق کے فریق بن گئے' انہیں مسلمانوں کے ساتھ شامل کر کے ایک ہی امت قرار دیا گیا کیونکہ میثاق میں مذکورہ مقاصد اور خواہشات' تمام معاہدین کے لیے یکساں ہیں اور ایک ہی دین کی اتباع کی بنا پر مسلمان ایک ہی امت ہیں۔ یوں یہ میثاق' سیاسی معنوں میں' ایک ایسی قوم کی بنیاد رکھتا ہے جو مسلم اکثریت اور غیر مسلم اقلیتوں پر مشتمل ہے۔ بایں ہمہ یہ مسلمانوں کے الگ امت ہونے کی منفرد خصوصیت پر بھی اصرار کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے مکہ میں کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے دعا کی تھی:

o ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک.

(سورۃ البقرہ' آیت 128)

''اے ہمارے رب ہم دونوں کو تو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت سے بھی تو اپنی ایک فرمانبردار امت بنا۔''

اسلام کا ایک معنی فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔ ''مسلم'' کا معنی ''فرمانبردار'' ہے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جو لوگ فرمانبرداری کرتے ہیں' وہ ایک امت شمار ہوتے ہیں یا مسلمان اپنے اسلام (فرمانبرداری) کی بدولت ایک ہی قوم ہوں گے۔

یوں اسلام کا مشترک رشتہ انہیں ایک امت میں پرودے گا کیونکہ اصول یہ ہے کہ مشترکہ خواہشات اور نظریات کے حامل اشخاص ایک قوم ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت آیات نمبر 104:3 اور 181:7 سے جو درج ذیل ہیں، واضح ہوتی ہے:

o ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحونo (سورۂ آل عمران، آیت 104)

اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو جو نیکی کی دعوت دے اور معروف کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

وممن خلقنا امة یھدون بالحق و به یعدلونo (سورۂ الاعراف، آیت 181)

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ہے، ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی رہا ہے جو حق کے مطابق رہنمائی کرتے اور اسی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

اسلام (فرمانبرداری) صرف آنحضرت ﷺ کی امت کا دین یا نظام حیات نہیں ہے۔ تمام انبیاء اسلام کی تبلیغ کرتے رہے کیونکہ ان پر بھی یہی وحی اور نبوت نازل ہوتی تھی۔ (آیت نمبر 163:4) ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہ مسلم تھے۔ (آیت 66:3) وہ اسلام جو آنحضرت ﷺ کو عطا ہوا وہ وہی دین قیم ہے جو ابراہیمؑ کا دین ہے۔ (آیت 162:6) تمام انبیاءؑ نے لوگوں کو یہی دعوت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اللہ کے احکام کی اطاعت کریں۔ (آیات 65:7، 73:7 اور 85:7)۔ آیات 42:21 اور 52:23 میں انبیاءؑ سابقین کا تذکرہ کرنے کے بعد خصوصیت سے ارشاد ہوا:

ان ھذہ امتکم امة واحدة یہ ہے تم سب کا دین، ایک ہی دین۔ واضح رہے کہ قرطبی نے کہا ہے الامة ھنا الدین (یہاں لفظ امت سے مراد دین ہے) تاہم اس کا معنی جماعت بھی ہوسکتا ہے۔

اسلام میں ایمان بنیادی شروط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مومن لازماً اللہ تعالیٰ پر اور حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاءؑ پر ایمان رکھے اور آپ کو آخری نبی اور رسول تسلیم کرے اور یہ کہ ان کے بعد روز قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہ آئے گا، اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں، فرشتوں اور آخرت پر ایمان رکھے۔

اگلی شرط اقامت صلوٰۃ ہے، پھر روزے رکھنا، حج کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ ایمان کے اجزاء ہر دین میں یکساں رہے ہیں لیکن نماز اور روزے کا طریقہ، زکوٰۃ کی جزئیات اور حج کے احکام مسلمانوں کو دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اسی طرح

عبادت گاہ (مسجد) اور مومنین کو نمازوں کے لیے بلانے کا طریقہ بھی دوسرے ادیان سے الگ ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی بہترین جماعت کہا گیا ہے جسے انسانیت کی خاطر کھڑا کیا گیا ہے۔ (آیت 3:110)۔ وہ معروف کا حکم کرتے اور منکر سے روکتے ہیں۔

o "تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر." (آیات 3:104 اور 3:110)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پوری امت پر فرض ہے کہ وہ دین کے مقاصد کو آگے بڑھائیں۔ (آیت 3:144) اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ ثابت قدم رہیں اور متحد رہیں کیونکہ استقلال اور ثابت قدمی میں انہیں دوسروں پر بازی لے جانا ہے۔ (آیت نمبر 3:200) اور یہ مسلمانوں کا طریقہ یا شیوہ نہیں کہ وہ ہدایت الٰہی واضح ہو چکنے کے بعد اللہ کے رسول کی مخالفت کریں (آیت 4:155)۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ انہیں لازماً آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ آیت نمبر 4:59 میں امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ برسر اقتدار اشخاص (جن سے مراد مرکزی ہیئت حاکمہ اور اس کے ماتحت عمال ہیں) کی اطاعت کریں۔ ان فرامین سے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ یہ امت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کا پرچم بلند رکھیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے بالکل متحد رہیں۔

نسل، رنگ اور وطن سے قطع نظر تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انما المومنون اخوة (آیت 49:10)۔ ایک کا قتل سب کا قتل ہے اور ایک کا موت سے بچانا سب کا بچانا ہے۔ امت مسلمہ کو حق و عدل پر قائم رہنے اور اس پر جمے رہنے اور اسے دنیا میں قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے (آیت 4:135)۔ انسانیت کی فلاح اور بہتری کی خاطر انہیں معتدل اور امت وسط بنایا گیا ہے (آیت 3:143)۔

اس طرح پوری امت مسلمہ خدائے واحد کی پرستش کرتی ہے، اور یہ ایک ہی آخری نبی اور رسول کی امت ہے، اور دنیا کے ہر ہر گوشے سے ایک ہی مشترکہ مرکز ''کعبہ'' کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرتی ہے۔ مسلمان امت کے تمام افراد کو ایک دوسرے کا بھائی گردانتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں پر کسی مصیبت یا پریشانی کے آنے سے دکھ محسوس کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ اور خواہشات یکساں ہیں۔ یہ ہے ایک امت کا حقیقی معیار۔

مسلمان دیگر تمام مذاہب کے لیے بہت زیادہ روادار ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے ایمان پر کسی حملے اور امت کی بیخ کنی اور تباہی کو ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ انہیں یہ دونوں نہایت عزیز ہیں۔

مسٹر ریاض الحسن گیلانی نے اجتماعی سالمیت اور یکجہتی کی اساس، عوامل اور ساخت پر بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یکجہتی

نامیاتی اور میکانی ہوتی ہے۔نامیاتی یکجہتی سے مراد ایسی سالمیت ہوگی جس کے نتیجے میں عمل کی تقسیم ہوتی ہے جبکہ میکانی یکجہتی سوسائٹی یا جماعت کی ایسی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے جس میں تمام افراد میں بنیادی خواص مشترک ہوتے ہیں اور اسی اشتراک کے نتیجے میں وہ ایک دوسرے سے ہمدردی اور یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں۔

انہوں نے استدلال کیا کہ امت مسلمہ کے لیے میکانی یکجہتی کا وصف موزوں ہے اور O.G.Burn اور Nimkoof کی سوشیالوجی کی ایک درسی کتاب سے یہ اقتباس پیش کیا:

''میکانی سالمیت سے عوامی معاشرے کی بنیادی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے۔تنہائی' ثقافتی یگانگت' باہم مربوط مفاہمتوں کے ایک ہی جال کا روایتی نظام اور سب سے غالب سماجی تعلقات میں ذاتی انسانی کردار اور دوسرے درجے پر موروثی اداروں کی اہمیت اور لادینی طبقات کے بالمقابل مقدس امور کی اضافی اہمیت (ٹیوسک) نامیاتی تنظیم یا تشکیل سے مخالف خصوصیات کے اظہار کا میلان ہوتا ہے۔(مریڈا)''

یہ اقتباس سماجی ڈھانچے اور اس کی تہذیبی طرز تشکیل پر روشنی ڈالتا ہے۔

ابن خلدون نے بڑی تفصیل کے ساتھ ایک ہی نسل کے قبائل اور خونی رشتوں میں مربوط حلیفوں اور اتحادیوں میں گروہی عصبیت پر بحث کی ہے۔یہ شدید عصبیت اس بدوی زندگی کا نتیجہ ہے جو انتہائی جرات' دلیری اور شجاعت کو جنم دیتی ہے۔(مقدمہ انگریزی ترجمہ' جلد اول' صفحہ 264) اس نے اسی عصبیت کے بل بوتے پر ملکی اقتدار کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ اس بارے میں دینی وحدت و یگانگت اہم ترین نقطہ اور موثر عنصر شمار ہوتی ہے۔اس نے لکھا ہے:

''اس کا راز یہ ہے کہ عرب چونکہ وحشی الخلق ہیں اور درشتی و خودداری' بلند ہمتی اور حکمرانی کا چسکا بڑے پیمانہ پر اپنے اندر رکھتے ہیں' اس لیے یہ ایک دوسرے کا محکوم بننا بڑی مشکل سے گوارا کرتے ہیں۔یہ اپنی خواہشات میں کسی خاص نقطہ پر بڑی مشکل سے جمع ہوتے ہیں۔اب جب نبوت یا ولایت کی دعوت ان میں پھیلتی ہے تو داعی چونکہ انہیں میں سے ہوتا ہے تو ان کی نخوت اور اکڑ کافور ہو جاتی ہے اور یہ بہت آسانی سے رام ہو کر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔دین خود ان کی مزاجی درشتی اور اکڑ' حسد و خود پسندی کے مادہ کی بیخ کنی کرتا ہے۔ان میں نبی یا ولی ان کو احکام خداوندی پر قائم رکھنے اور ناپسندیدہ صفات و خصائل ان کی جگہ پیدا کرنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں اور اظہارِ حق کے لیے ان سب کو ایک جی اور ایک دل کر دیتے ہیں۔جب یہ اتحاد و اتفاق کی ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں تو ملکوں پر چھا جاتے ہیں اور ملکوں کی

زمام حکومت اپنے ہاتھ میں سنبھال لیتے ہیں۔ عرب گو درشت خو اور درشت مزاج ہوتے ہیں مگر تمام قوموں سے جلد ترحق وہدایت قبول کر لیتے ہیں' یہ اس لیے کہ ان کی طبیعتیں کج ملکات اور مذموم عادات سے پاک ہوتی ہیں۔ وحشی الطبع ہونے کے باوجود فطرت سلیمہ پر قائم ہیں اور بھلائی کو تسلیم کر لینے کی بڑی صلاحیت رکھتے ہیں اور قبیح و نازیبا عادات اور ناشائستہ جذبات قبول کرنے سے بہت دُور اور بہت حد تک محفوظ ہوتے ہیں اور مذکورہ بالا حدیث ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے'' کا مصداق ہوتے ہیں۔''

اس امر کا انکار ناممکن ہے کہ رنگ' علاقے' نسل' زبان اور تہذیب کے امتیازات سے قطع نظر جماعت میں تعاون' رفاقت اور اخوت اور نظریاتی وحدت پیدا کرنے کا قوی تر محرک ایمان ہے۔ نظریاتی اساس سے پر جوش جذباتی وابستگی اور گہرا ارتباط ہی ان برادرانہ جذبات کی آبیاری کرتے ہیں جن کی مثالیں تاریخ اسلام سے پیش کرنا مشکل نہیں۔ سندھ کے راجہ داہر پر حملہ چند مسلمانوں کی امداد کی فریاد پر ہوا تھا۔ چند مسلمان بھائیوں کی فریاد پر لبیک کہتے ہوئے مسلم افواج نے سخت مشکلات کے باوجود اتنا طویل فاصلہ طے کر لیا۔

تاہم جدید دور کی قوم اور ایک دینی امت کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ قوم اشخاص کے ایک مجموعے کا نام ہے لیکن اس مجموعے کا اساسی عامل اور قوت محرکہ ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ ایسے مجموعے کے عوامل اور اوصاف کئی ہوتے ہیں لیکن افراد اور گروہوں کا ذاتی مفاد ان میں سے ایک بلکہ بڑا معیار ہوتا ہے۔ لیکن ایک دینی امت کی تشکیل میں ایسا کوئی عامل موجود نہیں ہوتا۔ امت مسلمہ کی تشکیل و تقویت میں معاون عوامل میں اسلام کی انسانیت نواز خصوصیات' وطن' رنگ' نسل' زبان یا تہذیب کے فرق سے صرف نظر کرتے ہوئے ہر امیر و غریب' آقا و غلام' مرد و عورت کی مساوات کی تاکید' اخوت اور انفرادی آزادیوں کی ضمانت شامل ہیں۔

افواج اسلام انہی اوصاف کی علمبردار تھیں اور انہوں نے بردباری' رواداری کی سپرٹ اور علم و تحقیق کی محبت کو پھیلایا' اگرچہ اپنے سیاسی ضعف کے ادوار میں وہ خود ظلم اور مذہبی تشدد کا شکار ہوئے۔

ایک امت کے افراد میں انجذاب کے دیگر عوامل میں اپنے ورثے سے محبت اور اپنی تاریخ پر افتخار بھی شامل ہیں۔

یہ تمام عوامل دین کی تعلیمات اور اسلام کے قوت محرکہ ہونے کے امتیازی وصف کا نتیجہ ہیں۔ لیکن سب سے بڑا عنصر مسلمانوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کا اکرام اور محبت ہے کیونکہ امت انہی کی بدولت ان تمام نعمتوں سے بہرہ یاب ہوئی۔

اس اکرام ومحبت کی گہرائی کا اظہار اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی حیات کی تمام تفصیلات و جزئیات محفوظ کرتے ہوئے ان کی سیرت پر ہزاروں کتابیں لکھ ڈالیں۔ مسلمانوں پر قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی سنت کی اطاعت فرض ہے۔ اسی لیے انہوں نے آپ کی حیاتِ مبارکہ کے تمام واقعات' خواہ وہ کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں' کو محفوظ اور مدون کر دیا ہے۔ آپ کی اطاعت کرنا آپ سے محبت کے ہم معنی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی اطاعت سے برتر ان کی ذات سے جذباتی وابستگی اور والہانہ محبت ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے گہری محبت' جیسا کہ علامہ اقبال نے واضح کر دیا ہے' کی بدولت ختم نبوت کا عقیدہ ہر مسلمان کے ایمان کا جزو ہے اور ختم نبوت کا یہی عقیدہ امت کی سالمیت کا اہم ترین عنصر ہے۔

امت میں اخوت اور سالمیت کے شعور سے ہی اس کے استحکام کو فروغ ملتا ہے اور یہ استحکام جذباتی جوش و ولولے کے ساتھ شامل ہو کر' انتشار کے تمام محرکات کے خلاف مزاحمت منظم کرتا ہے۔ اسی لیے امت نے نبوت کے تمام دعووں کی سختی کے ساتھ مزاحمت کی ہے تاکہ چشمۂ ایمان صافی رہے اور اسی طرح اسلام اور ختم نبوت کے باہمی تعلق میں کسی بھی مداخلت کو ناگوار قرار دیا ہے۔

قادیانی امت مسلمہ کا حصہ نہیں ہیں۔ اس بات کو خود ان کا اپنا طرز عمل خوب واضح کرتا ہے۔ ان کے نزدیک تمام مسلمان کافر ہیں۔ وہ ایک الگ امت ہیں۔ یہ متناقض ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کی جگہ لے لی ہے اور مسلمانوں کو اس امت سے خارج قرار دیا ہے۔ مسلمان انہیں امت مسلمہ سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں ایک ہی امت میں سے نہیں ہو سکتے۔ یہ سوال کہ امت مسلمہ کے افراد کون ہیں؟ برطانوی ہندوستان میں کسی ادارے کے موجود نہ ہونے کی بناء پر حل نہ ہو سکا۔ لیکن اسلامی ریاست میں اس موضوع کو طے کرنے کے لیے ادارے موجود ہیں اور اس لیے اب کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔ مقننہ اور وفاقی شرعی عدالت اسے طے کرنے کے لیے بااختیار ہیں۔

قادیانیوں اور مسلمانوں کے مابین یہ کشمکش اور قطعی علیحدگی خود مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کی تحریروں کا نتیجہ ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی کتاب انوارِ خلافت میں اس نکتے پر مفصل گفتگو کی ہے اور استدلال کو واضح کیا ہے کہ کیوں قادیانی غیر احمدی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے اور غیر احمدیوں کا جنازہ نہیں پڑھ سکتے اور اپنی لڑکیوں کا نکاح غیر احمدیوں سے نہیں کر سکتے۔ بنیادی درجہ یہ ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک غیر احمدی کافر ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ "لکھنؤ میں ہم ایک آدمی سے ملے' جو بڑا عالم ہے۔ اس نے شیخ یعقوب علی' جو ہمارے ہمراہ تھے سے کہا کہ آپ کے دشمن یہ مشہور کرتے پھرتے

ہیں کہ آپ غیر احمدی لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ آپ ایسا وسیع حوصلہ رکھنے والے ایسا کہتے ہیں۔ میں نے ان کو کہا آپ کہہ دیں کہ واقعی ہم آپ لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ یہ سن کر وہ حیران سا رہ گیا۔''

- پھر اس نے دین اور دنیا کا فرق کرتے ہوئے قادیانیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ دینی امور میں الگ ہو جایا کریں۔ (انوارِ خلافت' صفحہ 90-93)

کلمۃ الفصل میں کہا گیا ہے:

- ''حضرت مسیح موعودؑ نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر' کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا سب سے بڑا ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیے گئے۔'' (کلمۃ الفصل صفحہ 169)

آئینہ صداقت میں مرزا بشیر الدین محمود' مرزا صاحب کی ایک مزعومہ وحی کا ذکر کرتا ہے کہ ''جو شخص مسیح موعود کے ایک لفظ کو بھی جھوٹا خیال کرے گا' وہ خدا کے دربار میں مردود ٹھہرے گا۔'' پھر وہ احمدیوں پر زور دیتا ہے کہ ''وہ اپنے امتیازی نشانات کو نہ چھوڑیں کہ وہ ایک سچے نبی کو مانتے ہیں اور ان کے مخالف اسے نہیں مانتے۔'' مرزا صاحب کے زمانے میں ایک تجویز پیش کی گئی کہ احمدی اور غیر احمدی دونوں مل کر (اسلام کی) تبلیغ کریں لیکن مرزا صاحب نے پوچھا: ''تم کس اسلام کی تبلیغ کرو گے؟ کیا تم خدا کی نشانیوں اور نعمتوں کو چھپاؤ گے جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں؟''

قادیانیوں کے اس طرزِ عمل میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ یہ عالمی مظہر ہے کہ ایک دین کے ماننے والے کسی بھی دوسرے دین کے پیروؤں کو کافر' منکر یا اپنے دین کے دائرے سے خارج قرار دیتے ہیں۔ یہی بات یہودیوں' عیسائیوں' مجوسیوں' ہندوؤں اور دوسرے لوگوں کے ہاں بھی ہے۔ یہ امر نہ صرف مذہبی گروہوں کے ہاں درست ہے بلکہ لادینی نظریاتی گروہوں مثلاً کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے ہاں بھی موجود ہے۔

مختلف انبیاءؑ کی امم (امت کی جمع) کے افراد میں عموماً مسلمہ اصول یہ ہے کہ جو شخص بھی ایک امت کے نبی کو نہیں مانتا۔ وہ اس امت سے خارج یا اس جماعت سے باہر ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی بناء پر جو ان پر ایمان

نہیں لاتا یا انہیں جھوٹا نبی یا کذاب سمجھتا ہے' وہ مرزا صاحب کی امت یا جماعت جو احمدیوں کے نام سے معروف ہیں' میں سے ہر گز نہیں ہو سکتا۔

- نمازوں اور نکاح کے بارے میں ہدایات خود مرزا صاحب کی ہیں نہ کہ کسی جانشین کی۔ انہوں نے خاص دعویٰ نبوت سے پہلے لکھا تھا "جو شخص میری پیروی نہیں کرتا اور ہماری بیعت نہیں کرتا یا ہمارا مخالف ہے' وہ خدا کا نافرمان اور جہنمی ہے۔"

(تذکرہ صفحہ 336' طبع سوم اقتباس از خط مرزا صاحب' مورخہ 16 جون 1899ء بنام بابو الٰہی بخش)

اس حقیقت کے باوجود کہ مرزا صاحب اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ مسیح موعود پر اعتقاد کرنا ایمان کا جزو نہیں' پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں' حقیقۃ الوحیٰ' صفحہ 179 اور 180 روحانی خزائن ج 22 ص 185' 186 پر وہ کفر کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- "(اول) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے' کافر ہے۔ (مرزا صاحب کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر ہے) اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔ کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا' وہ بموجب نصوص صریحہ قرآن اور حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا اور اس میں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اول قسم کفر یا دوسری قسم کفر کی نسبت اتمام حجت ہو چکا ہے۔ وہ قیامت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا اور جس پر خدا کے نزدیک اتمام حجت نہیں ہوا اور وہ مکذب اور منکر ہے' تو گو شریعت نے اس کا نام بھی کافر ہی رکھا ہے اور ہم بھی اس کو باتباع شریعت کافر کے نام سے ہی پکارتے ہیں۔"

ایک سوال کے جواب میں مرزا صاحب نے (حقیقۃ الوحیٰ' ص 163 روحانی خزائن ج 22 ص 167' 168 پر) کہا:

- "جبکہ میں نے ایک مکذب کے نزدیک خدا پر افترا کیا' اس صورت میں نہ میں صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر (یعنی مرزا صاحب کو جھٹلانے والے پر) ہوگا۔ علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور

رسول کو بھی نہیں مانتا۔"

مسٹر مجیب الرحمٰن نے مسٹر ریاض الحسن گیلانی کے ان دلائل پر یہ اعتراض کیا اور کہا کہ غیر احمدیوں کے کفر کا مذکورہ بالا نظریہ صرف 1923ء تک رہا تھا اور اس بارے کے تمام حوالوں کا تعلق اسی مدت سے ہے۔ انہوں نے گزارش کی کہ مرزا بشیر احمد نہ احمدیوں کا امام تھا اور نہ خلیفہ صرف ان کا ترجمان تھا۔ لیکن مرزا بشیر الدین محمود نے منیر انکوائری رپورٹ کے سامنے واضح کیا تھا کہ اس نے غیر احمدیوں کو ان معنوں میں کافر قرار نہیں دیا تھا کہ وہ امت مسلمہ سے خارج ہیں' مفہوم یہ تھا کہ ان کا کفر کبیر نہ تھا۔ سخت خطرے کے ایسے اوقات میں جبکہ پاکستان کی امت مسلمہ کا اشتعال اپنے عروج پر تھا' مرزا بشیر الدین محمود کی اس وضاحت کی حیثیت کچھ پیچھے ہٹنے کی اس پالیسی سے زیادہ نہ تھی جسے' جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے' خود مرزا صاحب کئی بار اختیار کر چکے تھے۔ مرزا صاحب نے خود کہا کہ ایسا شخص کافر ہے کیونکہ وہ خدا اور اس کے رسول کا منکر گردانا جائے گا۔ تو ایسے شخص کے امت مسلمہ سے خارج ہونے کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہوگا۔

- مرزا صاحب نے اپنے مسلمان مخالفین کو کفر کے قائدین قرار دیا۔

(تذکرہ صفحات 107۔363' طبع سوم)

- مرزا صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ مارچ 1906ء بنام ڈاکٹر عبدالحکیم میں لکھا "خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔" (تذکرہ صفحہ 607 طبع سوم)
- مرزا بشیر الدین محمود نے غیر احمدیوں کو عیسائیوں کے برابر قرار دیا۔ شیخ نور محمد نے مرزا صاحب سے درخواست کی کہ وہ جماعت (جماعت احمدیہ) سے اس کا استعفا قبول کر لیں' جس پر انہوں نے جواب دیا "شیخ نور محمد کو بتا دو کہ وہ صرف جماعت سے علیحدہ نہیں ہوا بلکہ اسلام سے بھی نکل گیا ہے۔" (سیرۃ المہدی' جلد سوم' صفحہ 49)

یہ امر بہت معروف ہے کہ پاکستان کے سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ اخبار "زمیندار" مورخہ 8 فروری 1950ء کے مطابق جامع مسجد ایبٹ آباد کے خطیب مولانا محمد اسحاق نے سر ظفر اللہ سے نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ قائداعظم کو صرف ایک سیاسی لیڈر سمجھتے ہیں۔ ان سے استفسار کیا گیا کہ کیا وہ بھی مرزا صاحب کو نہ ماننے کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں؟ "حکومت کے وزیر ہوتے ہوئے بھی" سر ظفر اللہ نے جواب دیا: آپ مجھے ایک کافر حکومت کا مسلمان ملازم یا مسلمانوں کی حکومت کا کافر ملازم سمجھ لیں۔

مسٹر مجیب الرحمٰن، سر ظفر اللہ کے اس موقف کی تردید نہ کر سکے۔ لہٰذا یہ امر کسی قسم کے شک وشبے کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے کہ جیسا کہ سر ظفر اللہ نے پیش کر دیا ہے، یا تو پاکستان میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت کافر ہے یا قادیانی کافر ہیں، جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ دونوں ہرگز نہیں مل سکتے، اور نہ ہی ایک امت کے افراد ہو سکتے ہیں۔ دونوں میں وحدت کا کوئی نکتہ موجود نہیں، کیونکہ مسلمان ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے برعکس قادیانی مرزا صاحب کو ایک نیا نبی مانتے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک عظیم صاحب بصیرت شخصیت نے قادیانیوں کو امت مسلمہ کی سالمیت کے لیے خطرہ اور انتشار کے علمبردار قرار دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا "اس (امت مسلمہ) کی سالمیت صرف عقیدۂ ختم نبوت کی رہین منت ہے۔" (Thoughts and Reflections of Iqbal p.249) علامہ اقبال نے مزید کہا:

"آخر کار، اگر جماعت کی وحدت وسالمیت ہی کو خطرہ لاحق ہو، تو اس کے لیے صرف ایک چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ وہ انتشار انگیز قوتوں کے خلاف اپنا دفاع کرے۔

اور اپنے دفاع کے کیا طریقے ہیں؟ مدلل تحریریں اور ایسے شخص کے دعوؤں کا ابطال جو اپنی اصل جماعت کی نگاہوں میں "مذہبی مہم جو" ہو۔ تو کیا یہ معقولیت ہے کہ جس اصل جماعت کی سالمیت خطرے میں ہو، اسے برداشت کی تلقین کی جائے اور باغی ٹولی کو تحفظ کے ساتھ اپنا پراپیگنڈہ جاری رکھنے کی اجازت دی جائے، خواہ یہ پروپیگنڈہ سخت غلیظ بھی ہو۔" (ایضاً، صفحہ 253)

برطانوی سامراج اور استعمار کی حکومت سے مرزا صاحب کی محبت اور وفاداری ایک بدیہی امر ہے۔ انہوں نے تقریباً اپنی ہر کتاب میں کم از کم کئی صفحات انگریزی سرکار کی تعریف وتوصیف کے لیے مخصوص کیے ہیں اور ان کے جانشینوں کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے۔ ذیل میں ایسی تحریروں کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(ا) بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے، اس سے جہاد کیسا؟

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے، سو میرا مذہب، جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں، یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں: ایک یہ کہ خدا کی اطاعت کرے، دوسری اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو، جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔" (شہادۃ القرآن، مطبوعہ 1893ء، صفحہ 84 روحانی خزائن ج 6 ص

(380

(ب) ''اور اب اہل عقل جب ایک طرف دینی حمایت کے مضمون میری تحریروں میں پاتے ہیں اور دوسری طرف میری نصیحتیں سنتے ہیں کہ اس گونمنٹ کی سچی خیر خواہی اور اطاعت کرنی چاہیے تو وہ میرے پر کوئی بدظنی نہیں کر سکتے اور کیونکر کریں۔ یہ ایک واقعی امر ہے کہ مسلمانوں کو خدا اور رسول کا حکم ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت ہوں' وفاداری سے اس کی اطاعت کریں۔ میں نے اپنی کتابوں میں یہ شرعی احکام مفصل بیان کر دیے ہیں۔ اب گورنمنٹ غور فرما سکتی ہے کہ جس حالت میں میرا باپ گورنمنٹ کا ایسا سچا خیر خواہ تھا اور میرا بھائی بھی اسی کے قدم پر چلا تھا اور میں بھی انیس برس سے یہی خدمت اپنے قلم کے ذریعے سے بجالاتا ہوں۔'' (کشف الغطاء' مطبوعہ 1998ء صفحہ 7 روحانی خزائن ج 14 ص 186)

(ج) ''اور جیسا کہ میں نے پہلے اس سے شرائط بیعت کی دفعہ چہارم میں سمجھایا ہے' سرکار انگریزی کی سچی خیر خواہی اور بنی نوع کی سچی ہمدردی کریں اور اشتعال دینے والے طریقوں سے اجتناب رکھیں اور پرہیز گار اور صالح اور بے شر انسان بن کر پاک زندگی کا نمونہ دکھائیں۔''

(کتاب البریہ' مطبوعہ 1998ء' صفحہ 13 روحانی خزائن ج 13 ص 13)

(د) ''ڈپٹی کمشنر نے حکم دیا کہ اب اگر احمدیوں کو کوئی تکلیف ہوئی تو مسلمانوں کے جتنے لیڈر ہیں' ان سب کو نئے قانون کے تحت ملک بدر کر دیا جائے گا۔ ایسا حکم صرف وہی شخص صادر کرتا ہے جس کی ہمدردیاں پوری جماعت کو شامل ہوں۔ تمہارے مالاباری بھائیوں سے اس حکومت کا یہ تازہ سلوک ہے اور جو کسی کے بھائی سے ہمدردی کرے تو وہ اس سے بھی کرتا ہے سو تمہیں اس حکومت کا شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ مالاباری احمدی ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارا ایک مبلغ ماریشس گیا تھا۔ غیر احمدیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ جہاں چاہے اسے تقریر نہ کرنے دی جائے۔ اس نے حکومت سے سرکاری ہال (کے استعمال) کی اجازت مانگی۔ گورنر نے اسے اس ہال میں ہفتے میں تین دن خطاب کرنے کی اجازت دے دی۔ یوں اس نے آدھا ہفتہ ہمارے مبلغ کو دے دیا اور آدھا ہفتہ اپنے لیے رکھ لیا۔''

(انوار خلافت از مرزا بشیر الدین محمود احمد' صفحہ 96)

(ہ) کتاب البریہ کے صفحہ 8 اور 9 روحانی خزائن ج 13 ص 8' 9 پر ان کتابوں کے نام' تاریخ طباعت اور صفحات کے نمبر درج کیے گئے ہیں' جن میں مرزا صاحب نے برطانوی حکومت کی مدح و ستائش کی۔ انہوں نے اپنی 24 کتابوں اور

رسالوں کا حوالہ دیا ہے جن میں سرکار برطانیہ کی تعریف وتوصیف کے پل باندھے ہیں۔ان کی وفات سے کم ازکم گیارہ سال قبل ایسے صفحات کی تعداد کئی درجنوں تک پہنچتی ہے۔

مسٹر ریاض الحسن گیلانی نے ان چند مثالوں کی بنیاد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ برطانوی حکومت سے مرزا صاحب کی مستقل وفاداری بلاوجہ اور بے مقصد نہ تھی۔انہوں نے اسے اپنے پیروکاروں کے ایمان کا جزو اوران کی بیعت کے حلف کا حصہ بنا دیا تھا۔انہوں نے جہاد کی بھی ممانعت کردی' حالانکہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں خاص احکام پائے جاتے ہیں۔مرزا صاحب خود شاہ سے بھی زیادہ وفادار تھے' وجہ یہ تھی کہ احمدیہ تحریک کوحکومت کی ہمدردیاں حاصل تھیں اورانہی کی ہدایات پر اوران کے تحفظ وتائید کے سائے میں شروع ہوئی تھی۔1857ء کی جنگ آزادی کے بعد حکومت کا مفاد یہ تھا کہ امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کیا جائے اوراسلام ہی سے ایک نئے مذہب کی اختراع سے یہ مقصد پورا ہوتا تھا۔

فاضل وکیل نے مرزا صاحب پرتنقید کی کہ انہوں نے قرآن کریم کی مخالفت میں جہاد کو منسوخ کیا۔انہوں نے اپنے نکتے کے ثبوت میں مرزا صاحب کی تحریروں کا حوالہ دیا اوردرج ذیل چند مثالیں پیش کیں۔

1۔ اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کی تمام جنگوں کا اختتام ہے

اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ طبع 1902ء صفحہ 41 روحانی خزائن ج 17 ص 77 مرزا صاحب کی نظم)

2۔ ''اس (کسرِ صلیب) کا یہ معنی نہیں ہوسکتا کہ لکڑی کی وہ صلیب جسے عیسائی لٹکاتے ہیں' اسے مسیح توڑ دے گا......اس سے ایک اور صداقت ظاہر ہوتی ہے' جو وہی صداقت ہے جو ہم لائے ہیں۔ ہم نے صاف صاف کھول کر اعلان کر دیا ہے کہ اب جہاد منسوخ ہے۔ (امن کا قیام) مسیح موعود کا فریضہ ہے کہ جہاد کا خاتمہ کر دے۔ سو اس مقصد کی خاطر جہاد کی ممانعت کر دینا ہمارے لیے لازمی تھا۔ سو ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے اور دین کے نام پر تلوار اٹھانا یا ہتھیار اٹھانا سخت گناہ ہے۔'' (ملفوظات' جلد 4' طبع 1902ء' صفحہ 18)

3۔ اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

(اربعین نمبر 4' مطبوعہ 1900ء صفحہ 14 روحانی خزائن ج 17 ص حاشیہ 443)

4۔ ''میرے اصولوں اور اعتقادوں اور ہدایتوں میں کوئی امر جنگ جوئی اور فساد کا نہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے' ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔''

(مجموعہ اشتہارات' جلد 3' از 1898ء' تا 1908ء' صفحہ 19)

اسی نوع کے مزید اقتباسات' جو بکثرت موجود ہیں' کا تذکرہ غیر ضروری ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی کہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے اوائل میں صرف مرزا صاحب ایسے واحد شخص نہ تھے جنہوں نے برطانوی گورنمنٹ سے وفاداری کا اظہار کیا تھا بلکہ ملک کے متعدد علماء اور مفکرین نے اس سامراجی طاقت کی تعریف میں کچھ نہ کچھ لکھا تھا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن کے پیش کردہ اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء نے جہاد کی مخالفت کرتے ہوئے کئی عوامل کو مدنظر رکھا تھا۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان مغلوب ہو چکے تھے لیکن انہیں مذہبی آزادی حاصل تھی اور ان پر ان کا اپنا پرسنل لاء نافذ تھا۔ ایک دوسری وجہ جو کئی علماء نے ملحوظ رکھی' یہ تھی کہ جہاد اس وجہ سے جائز نہ تھا کہ قیادت کے لیے کوئی امام موجود تھا اور نہ قتال کے لیے اسلحہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان فتاویٰ میں سے اکثر کے پس پردہ جہاد میں کامیابی کا عدم امکان کارفرما تھا۔

مسئلہ اتنا سادہ نہیں جیسا کہ مسٹر مجیب الرحمٰن نے پیش کیا ہے۔ اس نکتے کی توضیح سے قبل یہ بیان کرنا مناسب ہوگا کہ صرف مسیح موعود کے حوالے سے یضع الحرب یعنی جنگ کا خاتمہ کرنے' کے اصول کا مطلب یہ ہے کہ قتلِ دجال' کسرِ صلیب اور

خنازیر کے قتل کے نتیجے میں اسلام کو غلبہ عام نصیب ہونے کی وجہ سے دنیا میں کفار کا وجود نہیں رہے گا۔اس کا یہ مفہوم نہیں کہ کفار کی حکومت کی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔

یضع الحرب (جنگ کا خاتمہ کرنے) کا اصول اس دور کے حالات پر جب مرزا صاحب نے قرآن کریم کے حکم جہاد کو منسوخ اور ممنوع قرار دیا تھا' قطعاً منطبق نہیں ہوتا۔

یہ بھی درست نہیں کہ انہوں نے صرف ایک مختصر مدت کے لیے جہاد کو معطل کیا تھا۔مذکورہ بالا اقتباسات اس دعوے کی تردید کرتے ہیں۔مسیح کی آمد پر (جہاد کے خاتمے کی) حدیث سے مراد جہاد کا قطعی خاتمہ ہے۔اس کی بنیاد پر جہاد کی منسوخی کسی عبوری نوعیت کے تنسخ کے حکم کی نفی کر دیتی ہے۔

اس مسئلے کو صوبہ پنجاب کی سیاسی صورت حال کی روشنی میں دیکھنا چاہیے' یہ ایسا وقت تھا کہ جاگیرداروں اور زمینداروں کا سارا طبقہ حکومت وقت کا خوشامدی شمار ہوتا تھا اور وہ اس کی رضا جوئی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار رہتے تھے اور کسی انگریز سے ملاقات باعث افتخار سمجھتے تھے۔

مرزا صاحب کی تحریروں سے یہ امر واضح ہے کہ ان کی ذات اور ان کے بھائی سمیت ان کے خاندان نے برطانویوں سے اپنی دائمی وفاداری جاری رکھی۔ایسی تحریریں جن میں مرزا صاحب نے برطانویوں کی مدح وستائش کی ہے' بے مقصد نہیں ہیں۔ مذکورہ بالا اقتباس سے ایک مقصد واضح ہے کہ احمدی برطانوی حکومت کی پناہ میں تھے' جبکہ موریشس سے متعلق دوسرے اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حکومت وقت کے اس قدر منظور نظر تھے کہ مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود' حکومت موریشس نے قادیانی مبلغ کو احمدیت کے پرچار کے لیے ہفتے میں تین دن کے لیے گورنمنٹ ہال الاٹ کر دیا۔انگریزی سرکار کے لیے مرزا صاحب کی تعریف' چاپلوسی اور تملق کی حد سے بھی متجاوز ہے۔اس سے عوام کے ذہنوں میں ایسے شکوک کا پیدا ہونا یقینی ہے کہ یا تو وہ امت مسلمہ میں انتشار وافتراق پھیلانے اور انہیں دائمی غلامی میں جکڑنے کی غرض سے' حکومت وقت کی جانب سے سونپا ہوا کردار ادا کر رہے تھے یا وہ اس سے مفادات کے حصول کی جستجو میں تھے۔

یہ دلیل کہ دوسرے علماء نے اسی قسم کا فتویٰ دیا تھا' میل نہیں کھاتی کیونکہ یہ حکومت کی حمایت میں کوئی اکا دکا رائے یا فتویٰ نہ تھا بلکہ یہ دامن کو چھڑانے کا مسلسل عمل تھا۔

اسے محض اتفاق قرار دینا مشکل ہے کہ مرزا صاحب' جو مجدد' مسیح موعود اور مہدی اور نبی ہونے کی دعویدار تھے' نے حکومت

برطانیہ کی مدح سرائی کی جب کہ تیرہویں صدی کے اختتام کے قریب اور بعد میں ایران میں بابی مذہب کے بانی مرزا علی محمد باب اور (بہائی مذہب کے بانی) حسین علی بہاء اللہ نے روسیوں کی مدح سرائی کی۔ علاوہ ازیں بہاء اللہ نے برطانوی حکومت کی بھی مدح سرائی کی تھی اور دونوں نے جہاد کو منسوخ قرار دیا تھا۔ درحقیقت بہاء اللہ نے بھی مرزا صاحب کے انداز پر جہاد کی منسوخی کا حکم دیا تھا۔

اس نکتے پر بحث کے اختتام پر مناسب ہوگا کہ علامہ اقبالؒ کی آراء اور خیالات سے اقتباس پیش کیا جائے:

''کیا اسلام میں تصورِ خلافت ایک مذہبی ادارے کی تشکیل کرتا ہے؟ ہندوستانی مسلمان اور اسی طرح ترک سلطنت سے باہر کے تمام مسلمان کس طرح ترکی خلافت سے متعلق ہو سکتے ہیں؟ کیا ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالسلام؟ اسلام کے نظریہ جہاد کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ قرآن کریم کی آیت ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر یعنی حاکموں کی'' میں ''اپنے میں سے'' کا کیا معنی ہے؟ اور امام مہدی کے ظہور کی پیش گوئی کرنے والی احادیث نبویہ کا کیا مفہوم ہے؟ یہ اور کچھ اور سوالات جو بعد میں اٹھے' واضح وجوہ کی بناء پر صرف ہندوستانی مسلمانوں کے لیے تھے۔ تاہم یورپی سامراجی جو اس وقت عالم اسلام میں تیزی سے نفوذ کر رہا تھا' بھی ان میں گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ ان سوالات سے اٹھنے والی بحثوں نے ہندوستان میں تاریخ اسلام کا ایک دلچسپ ترین باب رقم کیا۔ داستان بڑی طویل ہے اور تاحال کسی موثر قلم کی منتظر ہے۔ مسلمان سیاست دان جن کی نگاہیں بڑی حد تک حالات کے حقائق پر مرکوز تھیں' علماء کے ایک طبقے کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ دینی استدلال کی راہ اپنائیں' جو ان کے خیال میں موقع ومحل کے لحاظ سے مناسب تھا۔ لیکن یہ آسان نہ تھا کہ محض منطق کے بل بوتے پر ان اعتقادات پر قابو پا لیا جائے جو صدیوں سے ہندوستانی مسلمانوں کے شعور میں پختہ تھے۔

ایسی صورت میں منطق یا تو سیاسی مصلحت اختیار کر لیتی ہے یا رسوم ورواج کا دھارا بدل دیتی ہے۔ دونوں صورت میں استدلال عوام کو متاثر کرنے میں ناکام رہ جاتا ہے۔ اسلام کے راسخ مذہبی عوام کو صرف ایک چیز قطعی متاثر کر سکتی ہے اور وہ ہے وحی کی سند۔ قدیم راسخ اعتقادات کے موثر استیصال کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ مندرجہ بالا سوالات میں مضمر دینی نظریات کی مناسب سیاسی تعبیر کے لیے الہامی بنیاد تلاش کی جائے۔ یہ الہامی بنیاد احمدیت نے فراہم کی اور احمدی خود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے برطانوی سامراج کی یہ بہت بڑی خدمت کی۔''

اور صفحہ 31 پر بحث سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جیسا کہ میں نے اوپر واضح کیا ہے' مسلمانوں کے مذہبی افکار کی تاریخ میں احمدیت کا کردار یہ ہے کہ وہ ہندوستان کی موجودہ سیاسی غلامی کے لیے الہامی اساس فراہم کرنا چاہتی ہے۔''

ایک درخواست دہندہ مسٹر مجیب الرحمٰن' جنہوں نے بحث میں حصہ لیا' نے اپنے دلائل کے یہ نکات پیش کیے:

(1) دفعہ 203۔ڈی کی گنجائش اور حد

(2) فہم قرآن کے اصول

(3) قرآن کریم کی روح

(4) مذہب کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی گنجائش

(5) اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق

(6) قیام پاکستان سے پہلے اور قیام کے وقت قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان مختلف معاہدوں کا اثر جو انہیں مذہب کی مکمل آزادی' جس میں اس کے پرچار کا حق شامل ہے' کی ضمانت دیتا ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے ریاست کے اقتدار اور وفاقی شرعی عدالت کو تفویض کردہ اختیارات کی حدود کے حوالے سے دفعہ 203۔ڈی کی گنجائش پر بحث کی اور دلیل دی کہ قرآن اور سنت کی رو سے ایسے حکم کی کوئی اطاعت نہیں ہوتی جس سے گناہ کا ارتکاب یا اللہ اور اس کے رسول کی معصیت لازم آتی ہو۔اس کی اساس معروف حدیث **لا طاعة فی معصية الله** (اللہ کا نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں) ہے۔(بخاری کتاب الاحکام' جلد 2' صفحات 1057' 1058' 1078) اور اسی طرح کی دیگر احادیث۔

قرآن کریم کی آیت:

o یا ایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم. فان تنازعتم فی شئی فردوه الی الله والرسول ان کنتم تومنون بالله والیوم الاخر. ذلک خیر واحسن تاویلا o (سورۃ النساء آیت 59)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولوالامر کی۔ پس اگر کسی امر میں تمہارا اختلاف ہو

جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقہ بہتر اور انجام کار زیادہ اچھا ہے۔

پر بنا رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ آیت حاکم اور محکوم کے مابین نزاع سے متعلق ہے۔ انہوں نے کہا کہ آیت میں اولوالامر سے مراد صرف اربابِ اقتدار ہیں' نہ کہ علماء یا کوئی اور دینی عالم' جیسا کہ بعض علماء سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ دفعہ 203۔ڈی کے نفاذ سے اللہ تعالیٰ اور دوسروں جن میں ریاست بھی شامل ہے' سے وفاداریوں میں تصادم سے بچاؤ اور تصفیہ' مقصود ہے۔ پہلے مفروضے کے لیے انہوں نے متعدد کتب کے حوالے دیے۔ دوسرے نکتے کے لیے انہوں نے عدالت کی توجہ خصوصاً ترجمان القرآن' جلد اول' صفحہ 98 پر پیش کردہ رائے کی طرف مبذول کروائی کہ قرآن کریم کے اس حکم میں جس اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تصفیہ کرنے کے لیے ایک ادارے کا وجود ہونا چاہیے۔

- **فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول**

(پس اگر کسی امر میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ)

انہوں نے کہا یہ عدالت ایسا ادارہ ہے۔

اولوالامر کی تشریح و توضیح پر کسی کتاب سے حوالے دینے اور اس نکتے پر بحث کرنا اس لیے غیر ضروری ہے کہ پیش کردہ نکتہ قطعی ہے اور یہ عدالت مقدمہ نمبر ایس' پی' کے۔2' 1982ء میں ایسا قرار دے چکی ہے کہ اولوالامر سے ریاست میں برسر اقتدار لوگ جن میں مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ شامل ہیں' مراد ہیں۔

آئین کی دفعہ 203۔ڈی میں بتایا گیا ہے کہ اس عدالت کا وظیفہ یہ ہے کہ جو قوانین عدالت کے دائرۂ اختیار میں آتے ہوں' ان میں قرآن اور سنت رسول ﷺ سے تصادم اور تناقض کو ختم کرے۔ اس لیے یہ صحیح دکھائی دیتا ہے کہ یہ عدالت اپنے آئینی دائرۂ اختیار کی حد تک ایسا ادارہ ہے جو ترجمان القرآن' جلد اول' صفحہ 98 کی تحریر کے مطابق کسی قانون کے مندرجات میں اختلاف کو قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کی رو سے حل کر سکتا ہے۔ مسٹر مجیب الرحمٰن کی اس دلیل پر شاید ہی کوئی اعتراض ہو سکتا ہو۔

یہ دلیل کہ گناہ میں کوئی اطاعت نہیں ہے' بھی قطعی ہے۔ یہ عدالت اس نکتے کا پہلے ہی تفصیل کے ساتھ جائزہ لے چکی ہے۔ نیز پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس مجریہ 1963ء (آرڈیننس 30 مجریہ 1963ء) اور پنجاب' سندھ' صوبہ سرحد اور

بلوچستان کے سرونٹس ایکٹس' پراپنے حالیہ فیصلوں میں ایک مسلم ریاست کی قانون سازی کی گنجائش کا بھی جائزہ لے چکی ہے۔

دوسرے نکتے پرانہوں نے دلیل دی کہ جس چیز کو قرآن اور سنت جائز قرار دیں' اسے حکام ناجائز قرار نہیں دے سکتے اور اس کے لیے نص صریح کا وجود ضروری ہے۔ انہوں نے تقلید کو نظر انداز کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

یہ درحقیقت پارلیمنٹ کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے حق کو بالواسطہ چیلنج ہے۔ اس نکتے کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ نکتہ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا تھا: ایک قانونی مسئلہ ہے۔ اس لیے پارلیمنٹ نے' جو قانون ساز ادارہ ہے' دفعہ 260 میں اعلان کر کے اپنے دائرۂ اختیار کے اندر کام کیا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

"یہ سوال کہ کوئی شخص یا جماعت دائرہ اسلام سے خارج ہو چکی ہے' خالص قانونی مسئلہ ہے اور اسے اسلام کے تعمیری اصولوں کی روشنی میں ہی حل کرنا چاہیے۔"

مذکورہ بالا دلیل کی طرح وفاقی حکومت کے وکیل شیخ غیاث محمد نے بھی ایسی ہی دلیل پیش کی ہے۔ یہ عدالت پہلے صوبائی سرونٹس ایکٹس کا جائزہ لیتے ہوئے اس نکتے اور اپنے دائرۂ کار کی گنجائش کا فیصلہ دے چکی ہے۔ یہ قرار دیا گیا تھا کہ عدالت کا دائرۂ کار قرآن وسنت کی صرف صریح نصوص تک محدود نہیں ہے' عدالت کسی قانون کی پیچیدگیوں کا جائزہ لیتے وقت قرآن اور سنت کے وضع کردہ اصولوں سے استفادہ کر سکتی ہے۔ عدالت نے مقدمہ محمد ریاض وغیرہ بنام وفاقی حکومت وغیرہ پی۔ ایل۔ ڈی۔ 1980' ایف۔ ایس۔ سی میں قرار دیا تھا کہ وہ پبلک لاء میں تقلید کے اصول کی پابند نہیں ہے۔ مسٹر مجیب الرحمٰن کے خدشات کے ازالے کے لیے یہ کافی ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے پھر فہم قرآن کے اصول کا تذکرہ کیا اور کہا کہ پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن کو خود قرآن ہی کی روشنی میں سمجھا جائے' کیونکہ وہ ایک ہی مضمون کو مختلف اسلوبوں سے پیش کرتا ہے۔ تکرار سے مقصود انسانی ذہن پر مضمون کو نقش کرنا ہے' کبھی ایک مضمون کو ایک جگہ مختصر کیا گیا ہے اور اسے دوسری جگہ کھول کر تفصیل سے واضح کر دیا گیا ہے۔

انہوں نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ کا حوالہ دیا ہے:

o وکذلک نصرف الایت ولیقولوا درست و لنبینه لقوم یعلمون.

اسی طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف اسلوبوں میں بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ بول اٹھیں کہ تم نے پڑھا ہے اور تاکہ ہم اس کو اچھی طرح واضح کر دیں' ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔

(الانعام' آیت 105)

o ولقد صرفنا فی هذا القران لیذکروا وما یزیدهم الانفوراo

اور ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر بات واضح کردی ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔ لیکن یہ چیز ان کی بیزاری ہی میں اضافہ کیے جارہی ہے۔ (بنی اسرائیل' آیت 41)

o ولقد صرفنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفوراo

اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کی حکمت کی باتیں بیان کی ہیں لیکن اکثر لوگ انکار ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ (بنی اسرائیل' آیت 89)

o ولقد صرفنا فی هذا القرآن للناس من کل مثل و کان الانسان اکثر شیء جدلاً o

اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں گوناگوں طریقوں سے بیان کردی ہیں' لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ (الکھف' آیت 54)

ان اصولوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ بحث کے دوران مسٹر مجیب الرحمٰن ہماری توجہ قرآن کریم کی متعدد آیات پر مبذول کراتے رہے' جو ان کے مطابق اپنی وجہ نزول تک محدود نہیں ہیں' بلکہ انہیں اپنے مفہوم میں عام سمجھنا چاہیے۔

انہوں نے دوسرا اصول یہ پیش کیا کہ کسی آیت کو سمجھنے کے لیے اس کے سبب نزول کی دریافت ضروری ہے۔ یہ امر کسی آیت کے فہم میں معاون ہوتا ہے۔ تاہم اس کا معنی سبب نزول کی حد تک محدود یا مخصوص نہ ہوگا اور اس کے انطباق کا عموم کم نہیں ہوگا۔ یہ ان رہنما اصولوں پر مشتمل ہیں' جو روزِ قیامت تک قابل نفاذ ہیں۔ انہوں نے الاتقان (جلد اول' نوع 9' اسباب نزول' صفحہ 70 تا 87) کے حوالے دیے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر قرآن سے کوئی رہنمائی میسر نہ آئے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی جانب رجوع کیا جائے۔ آخری اصول یہ ہے کہ اگر سنت سے بھی کوئی روشنی نہ پڑتی ہو تو پھر تفسیر میں رہنمائی حاصل کرنے کا دوسرا ذریعہ آثار (رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے اقوال) ہیں۔ انہوں نے زور دیا کہ قرآن کریم کی روح کو صحیح طور پر سمجھنے اور اسے مدنظر رکھنے کی کوشش کی جائے۔

چوتھے نکتے پر' جس میں عقیدے کی آزادی اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق شامل ہیں' مسٹر مجیب الرحمٰن نے کہا کہ اس

بارے میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(1) کیا اسلام کسی غیر مسلم کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرنے کا حق یا اجازت دیتا ہے؟

(2) کیا اسلام کسی غیر مسلم کو رسول ﷺ کو اپنے دعوے میں صادق تسلیم کرنے کا حق یا اجازت دیتا ہے؟

(3) کیا اسلام غیر مسلم کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ قرآن کریم کو ایک اچھے نظام حیات کی حامل اور قابل اطاعت کتاب تسلیم کرے؟

(4) کیا کسی غیر مسلم کو یہ اجازت ہے یا نہیں کہ وہ اگر چاہے تو قرآن کریم کے احکام پر عمل کرے؟

(5) اگر جواب نفی میں ہے، تو اس نفی کی تائید میں قرآن وسنت کا حکم کہاں ہے؟

(6) ایسے شخص کے بارے میں قرآن کریم کیا لائحہ عمل تجویز یا مہیا کرتا ہے، جو قرآن کی حقانیت، محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور اللہ کی توحید کو مانتا ہو۔ لیکن اسے مسلمان نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اسے ایسا سمجھا جانے کا حق دیا جائے؟

قرآن کریم کی آیات 2:256، 29:8، 99:10، 108:10، 3:26، 10:90، 8:91، 9:91، 10:91 نیز مشہور مفسرین کی تفاسیر سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے یہ خلاصہ پیش کیا کہ احکام اسلام کی رُو سے:

(الف) دین قبول کرنے کے لیے کوئی جبر نہیں ہونا چاہیے۔

(ب) اسے رضا کارانہ طور پر قبول کر لینے پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔

(ج) کسی کو طاقت استعمال کر کے اس کے مذہب سے نہیں نکالنا چاہیے، اور

(د) جو کوئی اپنے دین سے وابستہ رہنا نہ چاہے اسے، اسے ترک کر دینے سے روکنا نہیں چاہیے۔

انہوں نے ان آیات کا حوالہ بھی دیا:

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیھم غضب من اللہ. ولھم عذاب عظیمo

جو اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرے گا، بجز اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو، لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے گا تو ان پر اللہ کا غضب ہوتا ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ (النحل، آیت 106)

o یاایھا الذین امنو لا یحل لکم ان ترثو النساء کرھاً ولا تعضلو ھن لتذھبوا ببعض ما اتیتمو ھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ. وعاشرو ھن بالمعروف. فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئاً ویجعل

الله فيه خيراً كثيراًo

اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ بات جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ اور نہ یہ بات جائز ہے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ واپس لینے کے لیے ان کو تنگ کرو مگر اس صورت میں کہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں۔ اور ان کے ساتھ معقول طریقے پر برتاؤ کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو بعید نہیں کہ ایک چیز کو تم ناپسند کرو اور اللہ تمہارے لیے اس میں بہت بڑی بہتری پیدا کردے۔ (النساء' آیت 19)

- لا اکراه فی الدین قد تبین الرشد من الغی. فمن یکفر بالطاغوت ویومن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقی لا انفصام لها. والله سمیع علیمo

دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے تو جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (البقرة' آیت 256)

- ولو شاء الله ما اشرکوا وما جعلنک علیهم حفیظاً وما انت علیهم بوکیلo

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کر پاتے اور ہم نے تم کو ان پر نگران نہیں مقرر کیا ہے اور نہ تم ان کے ضامن ہو۔ (الانعام' آیت 107)

- ولو شاء ربک لا من من فی الارض کلهم جمیعا. افانت تکره الناس حتی یکونوا مومنینo

اور اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ بھی ہیں سب ایمان قبول کر لیتے' تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن بن جائیں۔ (یونس' آیت 99)

- قل یا ایها الناس قد جاء کم الحق من ربکم. فمن اهتدی فانما یهتدی لنفسه. ومن ضل فانما یضل علیها. وما انا علیکم بوکیلo

کہہ دو اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے تو جو ہدایت قبول کرے گا وہ اپنے ہی لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا' تو اس کا وبال اسی پر آئے گا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ (یونس' آیت 108)

- لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنینo

شاید تم اپنے آپ کو اس فکر میں ہلاک کر کے رہو گے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں بنتے!

o ان نشاء ننزل عليهم من السماء اية فظلت اعناقهم لها خضعينo

اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی نشانی اتار دیں۔ پس ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی رہ جائیں۔(الشعراء' آیت 4:3)

o وهدينه النجدينo

اور اس کو ہم نے دونوں راہیں سمجھا دیں۔(البلد' آیت 10)

o قد افلح من زكهاo وقد خاب من دسهاo

بے شک کامیاب ہوا جس نے اس کو پاک کیا' اور نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا۔

(الشمس' آیات 10:9)

o وقل الحق من ربكم فمن شاء فليومن ومن شاء فليكفر انا اعتدنا للظلمين ناراً احاط بهم سرادقها. وان يستغيثوا يغاثوا بماء كالمهل يشوى الوجوه. بئس الشراب. وسائت مرتفقاًo

کہہ دے یہی حق ہے تمہارے رب کی جانب سے' تو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو اپنے گھیرے میں لے لیں گی اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا۔ چہروں کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی برا پانی ہوگا! اور کیا ہی برا ٹھکانہ۔ (سورہ الکہف' آیت 29)

سورۃ الکافرون کی آیات 4' 5 اور 6 اس مسئلے کو قطعی طور پر طے کرتے ہوئے ہر شخص کو اپنے دین پر رہنے دیتی ہیں:

o ولا انا عابد ما عبدتم o ولا انتم عابدون ما اعبد o لكم دينكم ولى دينo

اور نہ میں پوجنے والا ہوں جن کو تم نے پوجا۔ اور نہ تم پوجنے والے ہو جسے میں پوجتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔(سورۃ الکافرون' آیات 4 تا 6)

آیت نمبر 100:10 کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تمام انسانیت کو ایک ہی راہ پر مجبور کرتا اور انہیں اس کے خلاف کسی قسم کا اختیار نہ دیتا۔ لیکن اس کی حکمت' جس کے کچھ مقاصد ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں' کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کی تخلیق اس طرح ہو کہ اسے نیکی اور

بدی یا ہدایت اور گمراہی کی استعداد اور صلاحیت سے بہرہ ور کیا جائے۔ پس ایمان کی بنیاد ہر شخص کی اپنی پسند پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قلب و ضمیر کے ارادوں اور جذبات میں جبر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔'' (''فی ظلال القرآن'' جلد 4' صفحہ 478)

اسماعیل حقی کی تفسیر ''روح البیان'' (جلد 4' صفحہ 84) میں بھی یہی مفہوم دیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ منشا نہ تھا کہ انسانوں کی تخلیق ایسے نہج پر ہوتی کہ وہ سب مومن بن جائیں۔ بلکہ منشائے خداوندی یہ ہے کہ ہر انسان خود اپنی پسند کے مطابق ایمان یا کفر کو اختیار کرے۔ مزید بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ اس کے رسول ﷺ کی خواہش یہ ہے کہ تمام لوگ دائرۂ ایمان میں داخل ہو جائیں تو اس نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ ؐ کی قوم کے ایمان کو اپنی مشیت پر معلق کر دیا اور بتایا کہ تمہارے خالق کی یہ مرضی نہیں ہے' تو پھر کیا آپ ایسے امر میں کیسے جبر کر سکتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہے کہ تمام لوگ مشرف بہ ایمان ہو جائیں۔

اسی تفسیر میں الکشفی کی اس رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ یہ آیت' آیت جہاد سے منسوخ ہے' مزید بتایا گیا ہے کہ درست بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ ایمان کے مسئلے میں جبر درست نہیں ہوتا' اور اس لیے بھی کہ اس کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ (نیز دیکھئے ''مدارک التنزیل'' جلد 2' صفحہ 38' ''المنار'' جلد 2' صفحہ 483-484' ''معارف القرآن'' جلد 4' صفحہ 577' ''تفسیر المراغی'' جلد 2' صفحہ 158)

o وما جعلنک علیھم حفیظاً وما انت علیھم بو کیل o

اور ہم نے تم کو ان پر نگران مقرر نہیں کیا۔ اور نہ تم ان کے ضامن ہو۔ (الانعام' آیت 107)

کی تفسیر میں بھی اسی قسم کا بیان ہوا ہے (دیکھئے ''تفسیر المراغی'' جلد 7' صفحہ 211' ''روح البیان'' جلد 3' جز 4' صفحہ 48' ''المنار'' جلد 7' صفحہ 501-502' ''فی ظلال القرآن'' جلد 7' صفحہ 305-306' ''معارف القرآن'' جلد 3' صفحہ 413' ''تفسیر کبیر امام رازی'' جز 12' صفحہ 103)۔

المنار میں نگران یا وکیل کے فرائض بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگوں کو دین کی دعوت اور تعلیم دیں اور انہیں اسے قبول کرنے کی صورت میں فوز و فلاح کی خوشخبری دیں' اور دین الٰہی پر ایمان نہ لانے اور اسے قائم نہ کرنے کی صورت میں انہیں برے نتائج سے آگاہ کر دیں۔ پیغمبر ﷺ کے یہی فرائض ہیں۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ کی

جانب سے اس کی مخلوق کے نگران نہ تھے' اور نہ ہی انہیں اس امر کا اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنی قوم کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتے۔ فی ظلال القرآن (از سید قطب شہید) کے مطابق یہ آیت امت کی تشکیل سے بحث کرتی ہے۔

دین میں اکراہ یا جبر کے مسئلہ پر تمام مفسرین نے بحث کی ہے۔ دیکھئے ''المغنی'' حصہ 8' صفحہ 243' ''تفسیر بیضاوی'' جلد اول' صفحہ 362' ''مدارک التنزیل'' جلد اول' صفحہ 170' ''فی ظلال القرآن'' جلد 3' صفحہ 26-28' ''المراغی'' جلد 13' صفحہ 53' ''المنار'' جلد 9' صفحہ 665' ترجمان القرآن'' جلد اول' صفحہ 267' ''تفہیم القرآن'' جلد اول' صفحہ 196' ''روح المعانی'' جلد 3' صفحہ 12-13۔ المغنی کے مطابق ایک رائے یہ ہے کہ محض دھمکی بھی اکراہ ہے۔ المنار' جلد 3' صفحہ 16 کے مطابق اصل دین عقیدہ ہے' جو اطمینان قلبی کی بدولت نصیب ہوتا ہے۔ اطمینان قلب کا واحد ذریعہ استدلال اور حجت ہے' نہ کہ اکراہ یا جبر۔ ایک اہم نکتہ (دیکھئے ''المنار'' جلد 9' صفحہ 665) یہ ہے کہ کسی کو اپنا عقیدہ ترک کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ مجبور نہ کیے جانے کا حق ایک بنیادی حق شمار کیا گیا ہے۔ (''فی ظلال القرآن'' جلد 3' صفحات 26-28) آیت نمبر 18:29 کی تفسیر کے لیے ''المراغی'' جز 15' صفحہ 143' ''فی ظلال القرآن'' جز 15' صفحہ 95' ''تفسیر المظہری'' جلد 6' صفحہ 10)۔ ''تفہیم القرآن'' جلد 3' صفحہ 23' پر زور دیا گیا تھا۔ یہ آیت واضح طور پر ہر انسان کو کوئی عقیدہ قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیتی ہے۔

ان آیاتِ کریمہ پر مبنی ان تمام دلائل کا لب لباب یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں کہ تمام لوگ مومن بن جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو عام کریں' یہ مقصود نہ تھا کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ قرآن وسنت میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں جو اس امر پر پابندیاں عائد کرنے کی اجازت دے کہ غیر مسلم اللہ تعالیٰ کی توحید' رسول اللہ ﷺ کی رسالت وحکمت کی صداقت' قرآن کریم کے پیغام کی صداقت پر ایمان لائیں' یا قرآن کو اپنا دستور حیات بنائیں۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ کسی شخص کو زبردستی اس دین سے نکالا جائے جس سے وہ وابستہ رہنا چاہتا ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ آرڈیننس قادیانیوں کو دین اسلام' جس سے وہ وابستہ رہنا چاہتے ہیں' سے زبردستی نکالنے کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں لفظ اکراہ پر بھی روشنی ڈالی گئی کہ یہ صرف طاقت کے استعمال تک محدود نہیں بلکہ یہ ایسے حالات پیدا کرنے کو بھی شامل ہے جو کسی کے لیے اپنے دین کو ماننے یا اس پر عمل کرنے کے لیے سازگار نہ ہوں۔

مسٹر مجیب الرحمٰن کے پہلے چار سوالوں کا جواب اثبات میں دینا ہوگا۔ کسی غیر مسلم کے اس حق پر ایسی کوئی آئینی' قانونی یا شرعی پابندی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرے' پیغمبر ﷺ کو اپنے دعوے میں سچا تسلیم کرے' قرآن کریم کو اچھے دستورِ

حیات کا حامل تسلیم کرے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ چار سوالوں کے مثبت جواب کے بعد پانچواں سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چھٹے سوال کا واضح جواب یہ ہے کہ ایسے غیر مسلم سے قرآن وسنت کی عائد کردہ شرائط جن کا تذکرہ مناسب موقع پر آئے گا' کے تحت دوسری اقلیتوں جیسا سلوک کیا جائے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے ''اکراہ'' کے بارے میں جو چار اصول بنائے ہیں' وہ بھی قطعی ہیں۔ لیکن تیسرے اصول کا اطلاق جیسا کہ مسٹر مجیب الرحمٰن نے کیا ہے' درست نہیں ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ کسی شخص کو طاقت کے استعمال سے' اس کے دین سے نہیں نکالا جاسکتا۔ اپنے تحریری دلائل میں وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں...... ''جیسا کہ ہمیں نکالا گیا ہے۔'' زیر بحث آرڈیننس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ انہیں اپنے مذہب سے نکال دیا گیا ہے۔

یہ استدلال کیا گیا تھا کہ احمدیوں پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے یا ایسا ظاہر کرنے پر پابندی عائد کرنا' انہیں اپنے دین سے' جو ان کے مطابق اسلام ہے' نکالنے کے مترادف ہے۔ اس سوال پر ہم پہلے غور کر چکے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر دو عقیدوں کے قادیانی مسلمان نہیں ہیں' بلکہ غیر مسلم ہیں۔ لہٰذا آرڈیننس انہیں اپنے آپ کو ایسا کہلانے سے روکتا ہے' جو وہ نہیں ہیں۔ کیونکہ انہیں اپنے آپ کو جھوٹ موٹ مسلمان ظاہر کر کے کسی شخص' خصوصاً امت مسلمہ کو دھوکہ دینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ امر پہلے واضح ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب اور لاہوری گروہ کے سوا' دیگر قادیانیوں نے الٹا مسلمانوں کو غیر مسلم اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے کر اپنے آپ کو ایسی جماعت کی جگہ' جس میں قرآن کریم کی محبت اور عقیدت سب سے بلند ہے' مسلم امت قرار دے لیا ہے۔ یہ برداشت نہیں کیا جاسکتا اور غیر مسلموں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ امت کا شیرازہ بکھیر کر مسلمانوں کے حقوق اور مراعات پر غاصبانہ قبضہ کرلیں۔ پھر یہ امر قادیانیوں کے مرزا صاحب کو خواہ نبی یا مجدد' مہدی موعود یا مسیح موعود ماننے کے حقوق پر بھی اثر انداز نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے ان کے اس حق میں مداخلت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کریں اور اس کے اصولوں کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کریں۔

شریعت اسلامیہ غیر مسلموں کو اپنے دین کو ماننے' نیز اس پر عمل کرنے کا پورا تحفظ دیتی ہے۔ مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اور ان کی تفسیر میں مفسرین کی آراء اس امر کی تائید کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے معزز خلفاء نے مشرکوں اور غیر مسلموں سے خواہ وہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے یا نہیں' دوسرے امور کے علاوہ انہیں دین کی آزادی سے متعلق بہترین شرائط پر معاہدے کیے۔

اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو پہلا قدم اٹھایا وہ مدینہ کے یہودیوں' عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ تحریری میثاق تھا۔ اس معاہدے کی پہلی دفعہ' ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ میں یہ طے کرتی ہے کہ "معاہدے کے تمام فریقوں کو ایک ہی امت (جماعت) قرار دے دیا گیا۔" یہ واضح طور پر ایک ایسی سیاسی قوم بنانے کی کوشش تھی جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مدد کر سکے۔

اس معاہدے کی دفعہ 26 کا بیان ہے کہ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک امت ہیں یعنی انہوں نے سیاسی اتحاد کی بنیاد پر ایک سیاسی وحدت قائم کی ہے۔ معاہدے کے فریقوں' جن میں مسلم امت شامل تھی' نے اس معاہدے کے تحت ایک سیاسی امت تشکیل دینے پر اتفاق کر لیا ہے۔ امة من دون الناس (دوسرے لوگوں کے بالمقابل ایک سیاسی وحدت) (دفعہ 1) اور امة واحدة (متحدہ سیاسی وجود) (دفعہ 26) قرار دیا گیا۔

امة واحدة من دون الناس کی تشکیل کے بعد ان سب کے حقوق اور فرائض بیان کیے گئے' جن میں صاف صاف بتایا گیا کہ ہر ایک کو اپنے دین کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا حق ہوگا۔ تاہم دفعہ 26 میں یہ خاص شق رکھی گئی کہ یہودی اپنے دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے (دیکھئے سیرت ابن ہشام' اردو جلد 1' صفحہ 554)

عمر ابوالنصر کی کتاب ھارون البرامکة (اردو ترجمہ از شیخ محمد احمد پانی پتی' صفحات 278-279) میں بتایا گیا ہے کہ ہارون الرشید کے دور میں تعصب اور غیر رواداری کی ایک مثال نہیں ملتی۔ شام' مصر اور روم میں عیسائیوں کو عبادت کے لیے گرجے تعمیر کرنے اور صلیب کے جلوس نکالنے کی عام اجازت تھی۔ یہودیوں کو اپنے معابد میں عبادت کرنے کا پورا حق تھا۔ آتش پرست کسی پابندی کے بغیر اپنی آگ روشن رکھتے اور اس کی عبادت کرتے۔ سندھ میں ہندوؤں پر مندر میں عبادت کرنے اور اپنے دیوتاؤں کے آگے جھکنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ مختصر یہ کہ مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہ تھا۔

مصر کے اخبار الہلال کا ایڈیٹر جرجی زیدان اپنی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی (جلد 3' صفحہ 194) میں لکھتا ہے کہ تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کی برق رفتار ترقی کی ایک وجہ یہ ہے کہ خلفاء اسلام ہر قوم اور ہر مذہب کے علماء کی بڑی قدر کرتے تھے اور انہیں فراخدلی سے نوازتے تھے' اور کسی کے مذہب اور نسب یا نسل کا کبھی خیال نہ کرتے تھے۔ ان میں ہر مذہب کے لوگ' عیسائی' یہودی' صابی' سامری اور آتش پرست مل کر رہتے تھے۔ خلفاء ان سے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ پیش آتے۔ غیر مسلموں کو بھی وہی مقام اور آزادی حاصل تھی' جو مسلمانوں کے امراء اور افسروں کو دی جاتی۔

صفحہ 282 پر عیسائیوں کے ساتھ ہارون الرشید کے سلوک اور بردباری کی ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ ''اس کا صبر وتحمل اس قدر قوی تھا کہ ایک قیصر روم کی مکرر وعدہ خلافیوں اور سرحدوں پر غارت کے واقعات سے تنگ آ کر اس نے چیف جسٹس امام ابو یوسفؒ سے پوچھ لیا کہ اسلامی قلمرو میں عیسائیوں کے گرجا گھروں کو تحفظ کیوں دیا جاتا ہے اور انہیں شہروں میں صلیب کے جلوس نکالنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے جرات مندانہ جواب دیا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں رومی علاقوں کی فتح کے بعد عیسائیوں کو تحریری طور پر یقین دلایا گیا تھا کہ ان کے گرجا گھروں کو تحفظ حاصل ہوگا اور انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے اور صلیب کو لے کر چلنے کا پورا حق ہوگا۔ اب اس حکم کو ختم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔''

یہ حقیقت بہت معروف ہے کہ مسلم فاتحین کے مطالبے کے باوجود حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے قبضے میں موجود مفتوحہ اراضی کو ان میں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے بیت القدس کے باشندوں کو دی گئی عام معافی کا معاہدہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس کے متعلقہ حصوں کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

''اللہ کے بندے عمر امیر المومنین نے اہل ایلیا کو ان کی جانوں اور مالوں کو پناہ دی ہے۔ ان کے گرجا' صلیبیں' بیمار' تندرست اور تمام مذاہب کے لوگ پناہ میں رہیں گے۔ ان کے گرجاؤں میں کوئی نہیں رہے گا' نہ وہ گرائے جائیں گے...... اور نہ ان کی صلیب اور مال کی کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان کے مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی۔''

(تاریخ طبری' جلد 2' اردو ترجمہ از سید محمد ابراہیم' صفحہ 501' وثیقہ 357 صفحات 304-305' از سیاسی وثیقہ جات' مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ' الفاروق مولانا شبلی نعمانی' حصہ دوم صفحہ 149)

حضرت حذیفتہ بن الیمانؓ نے اہل مدینار کو تحریری ضمانت دی کہ ان کا مذہب تبدیل نہیں کیا جائے گا اور ان کے دینی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔

(تاریخ طبری' صفحہ 155)

جرجان کی فتح کے موقع پر امان کے معاہدے میں یہ شق رکھی گئی کہ ان کی جانوں' جائیداد اور دین کو تحفظ حاصل ہوگا۔ اور ان میں سے کوئی چیز تبدیل نہیں کی جائے گی۔''

(ایضاً صفحہ 155)

رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مقنا' حنین اور خیبر کے لوگوں کو دیے گئے امان نامے میں بتایا گیا ہے کہ آپؐ کو وحی الہی کے ذریعے تینوں طبقات کے اپنے گھروں کو لوٹنے کی اطلاع ہو گئی تھی' سو ضرور لوٹ جائیں۔ ان سب کے لیے خدا اور اس کے رسول کی طرف سے پناہ ہے۔ نہ صرف تمہاری جانوں کے لیے امان ہے بلکہ تمہارے دین' اموال' غلاموں اور جملہ املاک کے لیے بھی۔ ان سب چیزوں میں خدا اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ ماسوا مذکورہ بالا رعایتوں کے یہ مراعات بھی دی جاتی ہیں۔

1۔ جزیہ کی معافی۔

2۔ ....

3۔ ....

4۔ ترکِ بیگار۔

5۔ فوجی مہم میں شرکت سے استثناء۔

6۔ فوجی ضرورت کے لیے تمہارے گھر خالی کرانے کی معافی۔

7 تا 8۔ ....

9۔ مسلح ہو کر نکلنے کی اجازت ہے۔

10۔ تم خود پر حملہ آور کے خلاف جنگ کر سکتے ہو۔ ایسی لڑائی میں تمہارے مخالف کے مقتولوں کی دیت یا قصاص تم سے نہ دلوایا جائے گا۔

11 تا 17۔ ....

18۔ تمہارے جنازے لے جانے کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو گی۔

19۔ اہل بیت رسول اللہ ﷺ اور جملہ مسلمانوں پر تمہارے شرفاء کی تعظیم واجب ہے۔

20 تا 21۔ ....

22۔ اسلام میں کسی کو جبراً مسلمان کرنا روا نہیں۔

23 تا 26۔ ....

27۔ جو شخص میرا یہ خط پڑھے یا اسے سنے اور اس میں تغیر یا اس کی مخالفت کرے' ایسے شخص پر اللہ اور ملائکہ اور تمام

جہان کی لعنت ہے...... میں اس کا دشمن ہوں گا (روز قیامت کو)۔ (سیاسی وثیقہ جات نمبر 34' صفحات 59 تا 62)

وثیقہ نمبر 94 (ایضاً' صفحات 96 تا 98) رسول اللہ ﷺ اور نجران کے عیسائیوں کے درمیان طے پانے والا معاہدہ ہے۔ یہ بہت ہی نرم شرائط پر مشتمل ہے۔ دین سے متعلق شرائط دفعہ 8 ب اور 9 میں موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود کو ان کے دین (کی آزادی)' ان کے گوشہ نشین پادریوں اور کاہنوں کے تحفظ کا ذمہ دار قرار دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے سید بن حارث اور اس کی جماعت کے دوسرے عیسائیوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے میں دوسرے امور کے علاوہ انہیں عقیدے اور دین پر عمل کرنے کے امور میں کامل آزادی دی گئی۔ (دفعہ 5) ان کے گرجے' عبادت خانے' خانقاہیں اور مسافر خانے' خواہ وہ پہاڑوں میں ہوں' یا کھلے میدان' یا تیرہ و تار غاروں کے اندر ہوں' یا آبادیوں میں گھرے ہوئے ہوں' یا وادیوں کے دامن اور ریگستانوں میں ہوں' سب کی حفاظت میرے ذمے ہے۔ (دفعہ 4' ایضاً صفحہ 109) کسی عیسائی کو مسلمان ہونے کے لیے مجبور نہ کیا جائے گا (دفعہ 23)۔ ان سے مذہبی گفتگو میں احسن طریق سے پیش آیا جائے (دفعہ 24)۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے رشتہ داروں کے لیے جو آتش پرست تھے' بھی فرمانِ نبوی کے ذریعے اسی طرح ان کے مذہب کے بارے میں کامل آزادی دی گئی (ایضاً' صفحہ 331' دفعہ 8)۔ ان کے آتش کدوں کی بحالی اور ان کی آمدنی اور فروغ میں انہیں آزادی ہے (دفعہ 4)۔ جس مسلمان کے گھر میں نصرانی عورت ہو اسے اپنے مذہبی شعائر ادا کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ وہ عورت جب چاہے اپنے علماء سے مسئلہ دریافت کر سکتی ہے۔ جو شخص اپنی نصرانی بیوی کو اس کے مذہبی شعائر ادا کرنے سے منع کرے' وہ خدا اور رسول کی طرف سے ان کو دیے گئے میثاق کا مخالف اور عنداللہ کاذب ہے۔ (دفعہ 35)۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اہل نجران کی امان کی تجدید کی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطا کردہ تمام شرائط اور مراعات کو بحال رکھا' اور ان کے طریق عبادت' پادریوں اور راہبوں کے تحفظ کے بارے میں مزید خاص مراعات دے دیں۔ (وثیقہ نمبر 98' ایضاً' صفحات 114-115)۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب (Muslim Conduct of State) کی دفعہ 208 اور 209 یوں ہیں:

"(208) حنفی فقہ کا معروف مجموعہ یعنی البحر الرائق واضح کرتی ہے کہ غیر مسلموں کے قبرستان کا اتنا ہی احترام کیا جائے گا جتنا کہ خود مسلمانوں کے قبرستانوں کا ہے اور جس طرح ان کی زندگی میں ان کی جان' جائیداد اور عزت کا احترام کیا جاتا ہے' اسی طرح انتقال کے بعد ان کی ہڈیوں کا احترام کیا جائے گا۔ (209) امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اس امر پر متفق ہیں

کہ اگر غیر مسلم قرآنِ کریم' حدیث رسولؐ یا اسلامی فقہ پڑھنا چاہیں تو انہیں اس سے روکا نہیں جاسکتا۔''

اسی کتاب کی دفعہ 200 میں بیان کیا گیا ہے:

''اسلامی قانون نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان واضح فرق رکھا ہے۔ کئی پہلوؤں سے غیر مسلموں کی حالت بہتر ہوتی ہے۔ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنٰی ہیں' جبکہ تمام مسلمان مرد' عورت' جوان' بوڑھے اور ہر سال اپنی بچت کے 200 درہم حصے سے زائد پر اڑھائی فیصد کے حساب سے لازمی طور پر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وہ لازمی بھرتی سے بھی مستثنٰی ہوتے ہیں' جبکہ تمام مسلمان لازمی بھرتی کے تحت آتے ہیں۔ انہیں ایک نوع کی خودمختاری حاصل ہوتی ہے۔ ان کے مقدمات کا تصفیہ ان کے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے ہاتھوں اور ان کے پرسنل لاء کے مطابق ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست ان کی جان اور جائیداد کے تحفظ کی اتنی ہی ذمہ دار ہوتی ہے جتنا کہ مسلمانوں کے جان و مال کی۔''

عبدالوحید خان اپنی کتاب ''تاریخ افکارِ سیاست'' کے صفحہ 181 پر مسلمانوں کی مذہبی رواداری کے بارے میں لکھتا ہے:

''تقریباً ہر دور میں مذہبی رواداری اسلامی ریاست کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض اوقات حکومت نے مسلمانوں پر مذہبی پابندیاں عائد کر دیں اور بسا اوقات مسلمان اپنے عقائد کی وجہ سے (جو حاکم وقت کے عقائد سے مختلف ہوتے) ابتلاء کا شکار ہوئے۔ لیکن اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا جس مساوی سلوک اور اپنے دینی معاملات میں کامل آزادی سے بہرہ ور رہی' تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔''

وہ مزید کہتے ہیں کہ اسلامی ریاستوں میں مکمل مذہبی آزادی موجود رہی اور مختلف مذاہب کے لوگ اپنے اپنے طریقوں پر (اور اپنے ضمیر کے مطابق) عمل کرتے۔ ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری تھی۔ متوکل علی اللہ کے زمانے میں ذمیوں پر کچھ زیادتیوں کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ لیکن ان کے پس پردہ ایک عنصر یہ تھا کہ اس وقت خود غیر مسلم' قائم حکومت کے خلاف سازشیں کرنے لگے تھے اور ایسی سازشیں ان کی عبادت گاہوں میں تیار ہوتی تھیں۔ بدیں وجہ حکومت کو ان کا لباس مقرر کرنے اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ ورنہ خود متوکل علی اللہ بالکل آزاد خیال شخص تھا اور مذہبی رواداری کا حامی بھی۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ عباسی حکومت میں مذہبی آزادی اس قدر زیادہ تھی کہ مانی کے پیروکار' جنہیں اپنے وطن ایران میں جائے پناہ نہ مل سکی' بغداد میں آزادی سے اپنے خیالات کا پرچار کرتے تھے۔ نیز ہندوستان کے علماء یہودی اور عیسائی مبلغ بھی

اسلامی علاقوں میں کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے مذاہب کی تشہیر کرتے تھے۔ بنوامیہ کے دور میں غیر مسلموں کو ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کرلیا جاتا تھا لیکن بنوعباس کے دور میں ایک غیر مسلم کو وزیر اعظم مقرر کردیا گیا۔ مختشم کا وزیر اعظم فضل بن مروان عیسائی تھا اور اس کے عہد میں بیت الحکمت' جس میں مختلف موضوعات کی کتابوں کا ترجمہ ہوا' کا سارا نظم ونسق غیر مسلموں کے ہاتھوں میں تھا۔ بنوعباس کے دربار میں جبرائیل خاندان کو جو اہمیت حاصل تھی وہ ایک معروف تاریخی واقعہ ہے۔

عبدالرحیم اپنی کتاب (Muhammadan Jurisprudence) (طبع 1958ء) کے صفحہ 251 پر' ردالمختار (جلد 3' صفحہ 319-320) سے آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث درج کرتا ہے کہ ''غیر مسلموں کو ان کے عقیدے پر چھوڑ دو۔'' اسی قاعدے کی رو سے اس کے مطابق شافعیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اسلامی قانون غیر مسلم کی شراب نوشی میں مداخلت نہیں کرے گا' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے...... قانون غیر مسلم کو شراب کی فروخت کا حق دیتا ہے اور جو اسے ضائع کرے گا' وہ تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ نیز اس کے مطابق قانون اسلامی ریاست کے مجوسی شہری کو ایسا رشتہ کرنے سے نہیں روکے گا جو اسلام کی نگاہ میں ممنوع ہو۔ اور اگر بیوی نے درخواست دی' تو عدالت اس کے خلاف بیوی کے نان نفقے کا حکم جاری کردے گی۔''

مولانا مودودی اپنی کتاب ''اسلامی ریاست'' میں لکھتے ہیں:

''ذمی دو طرح کے ہوسکتے ہیں۔ ایک وہ جو اسلامی حکومت کا ذمہ قبول کرتے وقت کوئی معاہدہ کریں اور دوسرے وہ جو بغیر کسی معاہدہ کے ذمہ میں داخل ہوں۔ پہلی قسم کے ذمیوں کے ساتھ تو وہی معاملہ کیا جائے گا جو معاہدے میں طے ہوا ہو۔ رہے دوسری قسم کے ذمی تو ان کا ذمی ہونا ہی اس بات کو مستلزم ہے کہ ہم ان کی جان اور مال اور آبرو کی اسی طرح حفاظت کرنے کے ذمہ دار ہیں' جس طرح خود اپنی جان اور مال اور آبرو کی کریں گے۔ ان کے قانونی حقوق وہی ہوں گے' جو مسلمانوں کے ہوں گے۔ ان کے خون کی قیمت وہی ہوگی' جو مسلمانوں کے خون کی ہے۔ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔ ان کی عبادت گاہیں محفوظ رہیں گی۔ ان کو اپنی مذہبی تعلیم کا انتظام کرنے کا حق دیا جائے گا اور اسلامی تعلیم بہ جبر اُن پر نہیں ٹھونسی جائے گی۔'' (صفحہ 523)

قرآن کریم کی آیات' رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے خلفاء کے معاہدوں اور تاریخ کے دوسرے مسلم خلفاء کے طرز عمل سے یہ عیاں ہے کہ اُس دور میں غیر مسلموں کو وہ مراعات اور حقوق حاصل تھے جو تاحال استعماری حکمرانوں نے کئی ممالک میں اپنی رعایا کو نہیں دیے۔ یہ حقیقت ہے کہ کئی ممالک نے ایسے حقوق اپنے شہریوں کو نہیں دیے۔ اپنے مذہب کو ماننے اور اس پر عمل

کرنے کے بارے میں غیر مسلموں کو کامل آزادی حاصل رہی اور مذہب کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا حق فی الواقع بنیادی انسانی حق شمار کیا گیا۔

دین کے بارے میں اسلام کامل رواداری کا درس دیتا ہے اور اس امر کو ہر انسان کے ضمیر پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ چاہے تو اسلام قبول کرلے۔ کسی قسم کے جبر کی اجازت نہیں دی گئی۔ جو چاہے ایمان لائے اور چاہے تو نہ لائے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی عقیدے کے بارے میں مداخلت کا کوئی اختیار نہ تھا۔ آپؐ کا فریضہ صرف اللہ کے پیغام کی دعوت دینا اور اس کی تعبیر وتشریح' نیز اہل ایمان کو جنت کی بشارت دینا اور کفار کو دوزخ کی خبر دینا تھا۔ (کیونکہ آپؐ بشیر ونذیر بھی تھے)۔

تاہم یہ تمام دلائل غیر متعلق ہیں' کیونکہ زیر بحث قانون' قادیانیوں کو اپنا عقیدہ بدلنے اور اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

ان حالات میں مسٹر مجیب الرحمٰن نے شکایت کی کہ قادیانیوں پر اسلام کو اپنا دین ماننے پر پابندی لگا دی گئی ہے اور انہیں اذان' جو دین کا ایک حصہ ہے' کہنے کے حق اور اپنی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ لیکن نہ وہ مسلمان ہیں اور نہ ہی یہ امور اکراہ' جبر یا دھمکی کے ان اصولوں کے تحت آتے ہیں' جن پر آیات کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان آیات کا اطلاق کسی اور دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے پر ہوتا ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے قرآن کریم اور سنت کی رُو سے معاہدات کی لازمی پابندی کرنے پر بحث کی۔ ان دلائل کا جائزہ لینا اس لیے ضروری نہیں کہ **اوفوا بالعقود** (معاہدے پورے کرو) اور **اوفوا بالعهد** (عہد پورا کرو) کے واضح احکام اس مفروضے کی صحت میں کوئی شک نہیں رہنے دیتے۔ اس امر کی بہترین مثال معاہدہ حدیبیہ ہے' جس میں فریقین کے مابین طے شدہ شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ جو شخص مشرکین مکہ میں سے مسلمان ہو کر ان کی اجازت کے بغیر مسلمانوں میں شامل ہوگا' اسے اہل مکہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے' جن میں اہل مکہ کے جور وستم کا شکار ہونے والے مسلمان بچ نکلے اور مدینہ پہنچ گئے۔ لیکن معاہدہ کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے آپؐ نے انہیں واپس لوٹ جانے کا حکم دے دیا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی کہ قیام پاکستان کے وقت قائداعظم اور احمدیوں کے درمیان فی الواقع ایک عہد تھا' اور قائداعظم کا پاکستان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی کامل مساوات اور دوسرے امور کے علاوہ انہیں اپنے اپنے مذاہب کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کی آزادی دینے کا اعلان ایک ضمنی معاہدے یا ضمانت کے مترادف تھا' جسے 1973ء تک ملک کے مختلف

دساتیر میں شامل یا ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ان دساتیر نے پاکستان کے تمام شہریوں کو اپنے مذاہب کو ماننے' ان پر عمل کرنے اور تبلیغ کرنے کے حق کی ضمانت دی تھی اور 1974ء تک قادیانیوں کو غیر مسلم قرار نہیں دیا تھا۔

ہمیں قادیانیوں اور قائداعظم کے درمیان ایسا کوئی معاہدہ نہیں دکھایا گیا کہ انہیں مسلمان سمجھا جائے گا اور نہ ہی قیام پاکستان یا قائداعظم کی زندگی میں یہ سوال اٹھا تھا۔ 1956ء' اور 1962ء کے دساتیر یا 1973ء کے اصل دستور کا کوئی سہارا نہیں لیا جاسکتا' کیونکہ قادیانیوں کو ایک ایسی دستوری ترمیم کے ذریعے غیر مسلم قرار دیا گیا تھا جو بالاتفاق منظور ہوئی تھی اور جو مسلمانوں کے مسلسل احتجاجات کا نتیجہ تھی۔ یوں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

اس آرڈیننس کے نفاذ کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ 1974ء کی اس آئینی ترمیم کے اثرات کا جائزہ لیا جائے جس کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔ مسٹر مجیب الرحمٰن نے اس رائے کا پرجوش اظہار کیا کہ آئین نے قادیانیوں کو صرف غیر مسلم قرار دیا ہے اور ان پر خود کو غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی۔ ہم نے ان سے یہ استفسار کیا کہ کیا پاکستان کے قادیانی شہریوں پر آئین کی پابندی لازمی ہے یا نہیں۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ ان پر اس کی پابندی لازمی ہے۔ اسی تسلیم سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اعلان کے مطابق قادیانی اس امر کے پابند ہیں کہ وہ آئین اور قانون کی رو سے غیر مسلم ہیں۔ وہ انتخابات میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے ان نشستوں سے بطور امیدوار کھڑے ہو سکتے ہیں جو غیر مسلموں کے لیے مخصوص ہیں۔ ایسے مقدمات جن میں عقیدے کا مسئلہ درپیش ہو' انہیں لازماً اپنے آپ کو غیر مسلم کہنا ہوگا۔ اپنے مسلمان ہونے کے مفروضے کی بنیاد پر وہ کسی بھی قانونی حق کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ اس پٹیشن پر بحث کے دوران ان کا خود کو مسلمان کہنے پر اصرار واضح طور پر غیر آئینی ہے۔

دفعہ 360 (3) قادیانیوں کو آئین اور قانون کے مقاصد کے لیے غیر مسلم قرار دیتی ہے۔ دفعہ 20 پاکستان کے شہریوں کو دیگر امور کے علاوہ اپنے مذہب کو ماننے کے حق کی ضمانت دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دفعہ آئین کی دوسری دفعات کے تابع ہے۔ اس نکتے کو مسٹر مجیب الرحمٰن نے تسلیم کیا تھا۔ آئین کی دفعہ 260 (3) کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہوئے دفعہ 20 کی مندرجہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ قادیانی یہ اعلان کرسکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید یا مرزا صاحب کی نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں' لیکن خود کے مسلمان ہونے اور اپنے دین کے اسلام ہونے کا اعلان نہیں کرسکتے۔ مختصر حکم میں نادانستہ طور پر کچھ آراء در آئی تھیں لیکن اس جامع فیصلے میں موقف پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے' اس لیے اس بات پر زور دینا درست نہیں ہے کہ آئین

انہیں اپنے آپ کو غیر مسلم کہنے پر مجبور نہیں کرتا۔

اس بارے میں ساری دقت قادیانیوں کے اس رویے کی بناء پر پیدا ہوئی کہ وہ خود کو مسلمان یا اپنے عقیدے کو اسلام نہ کہنے کے پابند ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور اپنے پروپیگنڈے اور تبلیغ کو اسلام کے نام پر جاری رکھنے پر اڑے رہے۔ انہیں خود کو براہ راست یا بالواسطہ مسلمان ظاہر کرنے سے مجتنب رہنا چاہیے تھا' لیکن وہ ڈھٹائی کے ساتھ اپنے مخالف طرز عمل سے مسلم امت کا صبر وضبط آزمانے پر جمے رہے۔

ایسے القاب جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ آپؐ کی بیویوں اور افراد خاندان کے لیے مخصوص ہیں' کے استعمال پر پابندی لگانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کو استعمال کر کے قادیانی اپنے آپ کو بالواسطہ مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ ام المومنین (مسلمانوں کی ماں) امیر المومنین' خلیفۃ المسلمین' خلیفۃ المومنین (سب امت مسلمہ کے سربراہ یا حاکم اعلیٰ کے لیے ہیں) کے القاب مومنین اور مسلمین کے الفاظ پر مشتمل ہیں اور لوگوں کو یہ دھوکا دے سکتے ہیں کہ ان کے حاملین مسلمان ہیں یا خود کو مسلمان پکارتے ہیں۔ رضی اللہ عنہ کی ترکیب قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ یا زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے لیے بطور دعا استعمال ہوئی ہے۔ ''صحابی'' اور ''اہل بیت'' کے کلمات مسلمان علی الترتیب رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں اور آپؐ کے خاندان کے افراد جو سب بلا شبہ بہترین مسلمان تھے' کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے ساتھیوں اور ان کے افرادِ خاندان کے لیے ایسی اصطلاحات کے استعمال کا معنی یہ ہے کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرا نکتہ بھی وزنی ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک قادیانیوں کا مرزا صاحب کی بیوی' افراد خاندان' ساتھیوں اور جانشینوں کے لیے ایسی مقدس اصطلاحات کا استعمال ان کی بے حرمتی کے مترادف ہے:

اسی طرح اذان کہنا اور عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینا اس بات کی پختہ علامت ہے کہ اذان پڑھنے والا یا مسجد میں مجتمع یا نماز پڑھنے والے اشخاص مسلمان ہیں۔

ان القابات اور اوصاف کے استعمال کی ممانعت کی دفعات سے آئینی دفعہ کا نفاذ ہوتا ہے اور اس آرڈیننس میں اسی اصول کا اعادہ کیا گیا ہے کہ قادیانی کسی بھی طریقے سے براہ راست یا بالواسطہ اپنے آپ کو مسلمان کہلا یا ظاہر نہیں کر سکتے۔

مذہب کی تبلیغ پر پابندی کا محرک بھی اسی طرح کی سوچ ہے۔ قادیانیوں نے خود کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں کو یہ تسلی دینے کہ احمدیت کو ماننے کا معنی اسلام کو ترک کرنا یا ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کرنا نہیں' بلکہ بہتر مسلمان بننے کا موقع ہے' کی حکمت

عملی کی بدولت ان میں اور زیادہ تر پنجاب میں کچھ کامیابی حاصل کی۔ اس مقصد کے لیے وہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں میں سخت فرقہ واریت اور علماء کی مسلسل شدت کے خلاف موجود نفرت کے روایتی سروں کو چھیڑتے ہیں اور انہیں اپنی تبلیغ' جسے وہ اسلام میں آزاد خیالی قرار دیتے ہیں' کی جانب راغب کرتے ہیں۔ یہ حکمت عملی' جس نے انہیں کچھ فائدہ دیا ہے' اس سوداگر کے اس فراڈ سے گہری مماثلت رکھتی ہے جو اپنے گھٹیا سامان کو ایک شہرت یافتہ فرم کا اعلیٰ قسم کا معروف سامان ظاہر کر کے چلتا کرتا ہے' قادیانی یہ تسلیم کرلیں کہ ان کی تبلیغ اسلام کے لیے نہیں بلکہ کسی اور مذہب کی طرف ہے' تو بے خبر مسلمان بھی اپنے ایمان کو چھوڑ کر کفر قبول کرنے سے نفرت کریں گے' بلکہ اُلٹا قادیانیوں کے دلوں سے احمدیت کا طلسم ٹوٹ جائے گا۔

ہم پروفیسر طاہر القادری کی اس رائے سے متفق ہیں کہ اگر قادیانی آئینی دفعات کی پابندی کرتے تو اس آرڈیننس کے نفاذ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ مذہب کی تبلیغ پر پابندی لگانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے:

ایک دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے جس مسلمان سے ملتے اسے اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی کوشش کرتے اور مرزا صاحب کو نبی کہہ کر اس کے جذبات کی سخت توہین کرتے' کیونکہ تمام مسلمان حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں سخت غم وغصہ اور منافرت کے جذبات جنم لیتے' جن کی نتیجے میں امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ ان کے مسیح موعود اور مہدی کے دعوے پر جذبات سخت مشتعل ہوئے تھے۔ یہ خالی دعوے نہیں بلکہ قادیانیت کی تاریخ اور خود مرزا صاحب کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں نہ صرف علماء بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھوں سخت عداوت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لیے ان کی تحریروں میں اپنے مخالفین کے لیے سخت بے ہودہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی گئی ہے۔ ایسے واقعات بھی ہوئے جن میں اجتماعی احتجاجات کیے گئے۔ مثال کے طور پر عبدالقادر کی کتاب ''حیاتِ طیبہ'' صفحہ 121-126 اور 140 دیکھئے' مرزا صاحب کی اکثر تحریریں اپنے مخالفوں کے لیے بددعاؤں اور سخت کلامی سے پر ہیں۔ انہوں نے خود بھی ان سے مسلمانوں کی عمومی عداوت کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے ''حمامتہ البشریٰ'' صفحہ 36' روحانی خزائن ج 7 ص 202 ''ازالہ اوہام'' صفحہ 11 روحانی خزائن ج 3 ص 108)۔ حمامتہ البشریٰ کے صفحہ 9' روحانی خزائن ج 7 ص 184 پر انہوں نے لکھا ہے:

''پس یہی وہ دعویٰ ہے جس پر میری قوم (غیر احمدی مسلمان) مجھ سے لڑتی ہے اور وہ مجھے مرتد سمجھتے ہیں۔ اور وہ زور سے بولتے ہیں اور ملہم حقیقی کا کوئی احترام بجا نہیں لاتے۔ انہوں نے کہا کہ وہ کافر' کذاب اور دجال ہے۔ اگر انہیں حکام

کی تلوار کا خوف نہ ہوتا تو وہ میرے قتل کے درپے تھے۔"

مرزا صاحب کے کچھ واقعات سے صدمے اور طوفان کی ایسی لہر اٹھی کہ وہ ان کے مریدوں میں زلزلوں کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ سیرت المہدی کے مولف کی دی ہوئی تعداد کے مطابق ایسے زلزلے پانچ تھے:

(1) پہلا طوفانِ عظیم جس نے احمدیت کو ہلا کر رکھ دیا وہ مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کے بعد کہ اسی حمل کے دوران پسر موعود پیدا ہوگا' 1886ء میں لڑکی کی پیدائش تھی۔

(2) دوسرا طوفان اس لڑکے کی وفات پر اٹھا جو اس لڑکی کے بعد پیدا ہوا تھا۔

(3) تیسرا صدمہ جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو متزلزل کر دیا وہ مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔

(4) چوتھا طوفان آتھم کی موت کے بارے میں پیش گوئی کے پورا نہ ہونے پر اٹھا۔

(5) پانچواں زلزلہ مرزا صاحب کا انتقال تھا (مولوی ثناء اللہؒ کی وفات سے بہت پہلے اور وہ بھی ایک مہلک بیماری سے جو ہیضہ بتائی گئی تھی۔ (اور پھر ایسی موت جو مرزا صاحب کے اپنے وضع کردہ اصول کے مطابق بارگاہِ الٰہی سے مردود اور اس پر افتراء کرنے والوں کے لیے ہی مخصوص ہے)۔ (سیرت المہدی' ص 103 تا 108 روایت نمبر 116)

اس تعداد کی بنیاد بھی مرزا صاحب کی ایک پیش گوئی پر رکھی گئی ہے جس میں انہوں نے پانچ زلزلوں کی پیش گوئی کی تھی۔ لیکن اگر اس پیش گوئی کے مفہوم کے مطابق ان واقعات میں سے ہر واقعہ کو ایک زلزلہ شمار کیا جائے تو یہ فہرست یقیناً ناقص ہے۔ محمدی بیگم سے شادی میں ناکامی پر مرزا صاحب کو جس تمسخر کا سامنا کرنا پڑا وہ علم الزلازل کی رُو سے بہت لمبے عرصے اور مسلسل طوفانوں پر مشتمل تھا۔ اسی طرح نبوت کا دعویٰ کرنے پر مرزا صاحب جس مخالفت اور عداوت کا نشانہ بنے اس کی نوعیت ایسی تھی کہ آج تک اس کی شدت کم نہیں ہوئی۔ پہلے' دوسرے' چوتھے' پانچویں زلزلے اور محمدی بیگم کے واقعہ نے مرزا صاحب کو مسلمانوں' عیسائیوں اور ہندوؤں میں یکساں طور پر ہنسی' مذاق اور نفرت کا نشانہ بنا دیا۔ 1891ء میں مسیح موعود' مہدی نیز نبی یا رسول اللہ ﷺ کا بروز ہونے کے دعووں نے عامتہ المسلمین' علمائے دین اور دانشور طبقے میں یکساں طور پر عداوت' غم و غصے اور ملامت و مذمت کا لامتناہی سلسلہ پیدا کر دیا۔

(دیکھئے "سیرت المہدی" جلد 1' ص 103 تا 108 روایت نمبر 116' جلد 2' صفحات 44 روایت نمبر 355' 64 روایت نمبر 385' 87 روایت نمبر 417' جلد 3' صفحہ 94 روایت نمبر 625)

یہ ان کی زندگی میں مسلمانوں کے بار بار رونما ہونے والے سخت ترین اشتعال کی ایک تصویر ہے۔

قیام پاکستان کے بعد 1953ء کے مارشل لاء کا نفاذ' منیر انکوائری کمیٹی کی تشکیل اور 1974ء کی آئینی ترمیم یہ سب مسلمانوں کے سخت اشتعال' احتجاج' جھنجلاہٹ اور غم و غصے کو ثابت کرتے ہیں۔ مجموعہ ضابطہ فوجداری پاکستان کی دفعہ 298 سی مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کی ممانعت کرتی ہے اور یہ خود ان امور پر مسلمانوں کے اضطراب اور غم و غصے کا ثبوت ہے' جنہیں آخر کار آرڈیننس نے ممنوع قرار دے دیا ہے۔

مسلمان ام المومنین' اہل بیت' صحابی' امیر المومنین' خلیفۃ المومنین اور خلیفۃ المسلمین کی اصطلاحات صرف علی الترتیب رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات' افرادِ خاندان' ساتھیوں اور آپ ؐ کے صالح خلفاء ہی کے لیے استعمال کرتے رہے۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ اصطلاحات صرف ان عظیم شخصیات اور رسول کریم ﷺ کی صحبت و رفاقت سے مشرف ہونے والے اشخاص کے لیے مخصوص ہیں' لیکن قادیانی انہیں مرزا صاحب کی بیوی' خاندان اور ساتھیوں کے لیے' جنہیں غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے' استعمال کرتے ہیں۔ اس امر کا مسلمانوں نے ہمیشہ برا منایا ہے' اسی بنا پر آرڈیننس نے ایسی اصطلاحات کے استعمال کو فوجداری جرم قرار دے دیا ہے۔

امہات المومنین' ام المومنین اور ازواج مطہرات کے کلمات صرف رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے لیے مخصوص ہیں اور ان کے مخصوص استعمال پر خود قرآن کریم کا اشارہ موجود ہے۔ قرآن کریم کی آیت 6:33 میں آنحضرت ﷺ کی بیویوں کی شان میں ارشاد ہوتا ہے:

"وازواجه امهاتهم"

(اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں)

اسی طرح متعدد ایسی احادیث موجود ہیں' جن میں پیغمبرؐ کی ہر بیوی کو ام المومنین (مومنوں کی ماں) کہا گیا ہے۔ ہر مسلمان کی حقیقی ماں' سوتیلی ماں' (دیکھئے آیت نمبر 23:4) کے علاوہ وہ بھی مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اس تعلق کی وجہ اولاً دوسری تمام خواتین پر پیغمبر ﷺ کی بیویوں کی فضیلت و تفوق ہے اور ثانیاً آپ ؐ کے بعد آپ ؐ کی کسی بیوی سے نکاح کرنے کی ممانعت ہے۔

سورہ الاحزاب کی آیت 32 میں ارشاد ہوتا ہے:

o ینسآء النبی لستن کاحد من النساء.

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔

نیز اس سے قبل آیت 30 میں فرمایا:

o **یٰنساء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة یضعف لها العذاب ضعفین و کان ذلک علی الله یسیراo**

اے نبی کی بیویو، تم میں سے جو کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوگی تو اس کے لیے دوگنا عذاب ہے اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔

یہ دونوں آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی بیویاں دوسری خواتین کی مانند نہیں ہیں۔ انہیں ام المومنین یا ازواج مطہرات کا خطاب دینے کی ایک وجہ یہی ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اس اصول کی بنا پر کہ اللہ کی رسول کی وراثت امت کو ملتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو کوئی وراثت نہیں ملی تھی۔ یوں وہ اپنے گزارے کے لیے کسی ذریعہ آمدن سے محروم ہوگئیں۔ آپؐ کی زندگی میں بھی انہوں نے نہایت غربت میں گزارا کیا۔ اس کے باوجود اگر ان کے پاس کوئی پونجی ہوتی یا گھر میں کھانے کی کوئی چیز میسر آجاتی تو وہ اسے اپنے استعمال میں لانے کی بجائے کسی محتاج کو صدقہ کر دیتیں۔

ایک دفعہ انہوں نے کچھ مطالبات کیے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فوراً یہ تنبیہ نازل ہوئی کہ یا تو تم پیغمبر ﷺ کی معیت میں روکھی سوکھی زندگی گزارتی رہو یا تمہیں دنیا کا سامان دے دلا کر رخصت کر دیا جائے گا۔ (آیت 33:28) تاہم انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی مبارک رفاقت کو اختیار کیا۔ آپؐ کی ان ازواج مطہرات میں سے کچھ ایسی بھی تھیں جو متمول خاندانوں سے آئی تھیں اور خوشحالی دیکھ چکی تھیں، مثلاً حضرت سودہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت جویریہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ لیکن انہوں نے بھی فقرو فاقے کی زندگی کو پیغمبر ﷺ سے الگ ہونے پر ترجیح دی۔ ان عظیم شخصیات کا کسی بھی دوسری عورت سے موازنہ کرنا اور ان کے خطاب کو کسی دوسری عورت پر منطبق کرنا ناممکن ہے۔

ایک اور اصطلاح جس کے استعمال سے قادیانیوں کو روک دیا گیا ہے "اہل بیت" ہے۔ یہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے خاندان کے افراد کے لیے مستعمل ہے۔ سورہ ھود کی آیت 73 میں ارشاد ہوا:

o **رحمت الله و برکاته علیکم اهل البیت.**

اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں آپ پر، اے گھر والو!

سورۃ الاحزاب کی آیت 33 میں ارشاد ہوا:

o انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا o

اے نبی کے گھر والو! اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم سے آلودگی کو دور کرے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔

ان ارشادات سے اہل بیت رسالت کو اس امت سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ انہیں ہر قسم کے گناہوں اور معصیت سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے عقیدے، عمل اور معاملات میں تقویٰ اور طہارت کے اعلیٰ معیار کا پابند رہنا چاہیے۔

قرآن کریم اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ خاندانِ رسالت کے تمام افراد ان صفات و محامد سے متصف تھے۔ بصورت دیگر نوح علیہ السلام کے بیٹے کو بھی ان کے اہل بیت سے خارج قرار دیا گیا تھا کیونکہ اس نے کفر کو اختیار کر لیا تھا اور احکام الہیہ کا منکر تھا۔ سورۃ ھود کی ان آیات کو پڑھیے:

o ونادی نوح ربه فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحکمین o قال ینوح انه لیس من اھلک انه عمل غیر صالح فلا تسئلن مالیس لک به علم انی اعظک ان تکون من الجھلین o

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے پروردگار میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ پکا ہے اور تو تمام فیصلہ کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔ وہ نہایت نابکار ہے۔ پس مجھ سے اس چیز کے لیے درخواست نہ کرو جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں۔ اور میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ بنو۔ (سورہ ہود آیت 46:45)

اہل بیت کی اصطلاح بھی جیسا کہ کئی احادیث سے واضح ہوتا ہے حضرت رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے افراد کے لیے مخصوص ہے۔

ایسے اشخاص جو مسلمان نہیں ہیں یا جو مسلمان نہیں تھے ان کو اس نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ قادیانیوں کی طرف سے مرزا صاحب کے افراد خاندان کے لیے ایسے نام کا استعمال زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔ وہ اوصاف جن سے رسول اللہ ﷺ کے افرادِ خاندان متصف تھے وہ کسی اور شخص میں موجود نہیں ہو سکتے' اس لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مسلمانوں نے اس توہین کا برا منایا۔ اس اصطلاح کے استعمال سے امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہی امت کے مفاد میں تھا کہ اس کے

استعمال کو فوجداری جرم قرار دے کر قادیانیوں کو اس کے استعمال سے منع کر دیا جائے۔

رضی اللہ عنہ کا معنی ہے ''اللہ اس سے راضی ہوا'' قرآن کریم میں ان لوگوں کے بارے میں کافی رہنمائی موجود ہے جن کے لیے یہ وصف استعمال ہوسکتا ہے۔ ذیل میں متعلقہ آیات درج کی جاتی ہیں:

- **والسبقون الاوّلون من المھٰجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنت تجری تحتھا الانھر خلدین فیھا ابداً ذلک الفوز العظیمo**

اور مہاجرین وانصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور پھر جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور بڑی کامیابی یہی ہے۔ (سورۃ التوبہ آیت 100)

- **لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینتہ علیھم واثابھم فتحاً قریباًo**

اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جبکہ وہ تم سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے تو اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا تو اتاری ان پر طمانیت اور ان کو ایک عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا۔ (سورۃ الفتح آیت 18)

- **لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰبائھم او ابنائھم او اخوانھم او عشیرتھم.**

تم کوئی ایسی قوم نہیں پاسکتے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور وہ دوستی رکھے ان سے جو اللہ اور اس کے رسول سے برسر مخالفت ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا اہل کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔

- **اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلھم جنت تجری من تحتھا الانھٰر خالدین فیھا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحونo**

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک فیضانِ خاص سے ان کی تائید فرمائی ہے اور ان کو داخل کرے گا ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ اللہ کی پارٹی ہیں۔ سن رکھو کہ اللہ کی پارٹی ہی فلاح پانے والی ہے۔

(سورۃ مجادلتہ)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت صرف رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو دی یا مومنین کو۔ غیر مسلموں کے لیے جن سے اللہ تعالیٰ ہرگز راضی نہیں ہوسکتا' رضی اللہ عنہ کی صفت استعمال نہیں کی جاسکتی۔ مرتد اور کافر اس بشارت میں شریک نہیں ہوسکتے۔ ان کے لیے خبر یہ ہے کہ وہ جنت میں نہیں بلکہ دوزخ میں رہیں گے۔ ان حالات میں کوئی ایسا قاعدہ وضع کرنا ممکن نہیں جس کی رو سے مرتدین بھی اسے استعمال کرسکیں۔ اسلام کا مسلمہ ضابطہ یہ ہے کہ خواہ مسلمان کفار کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہیں' اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ درج ذیل آیات ملاحظہ کیجئے:

- **استغفر لهم اولا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم ذلک بانهم كفروا بالله ورسوله والله لا يهدى القوم الفٰسقينo**

  تم ان کے لیے مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت چاہو گے تو بھی اللہ ان کو بخشنے والا نہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا۔ اور اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ (سورۃ توبہ آیت 80)

- **سواء عليهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم لن يغفر الله لهم ان الله لا يهدى القوم الفٰسقينo**

  ان کے لیے یکساں ہے' تم ان کے لیے مغفرت مانگو یا نہ مانگو۔ اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ (سورۃ المنافقون آیت 6)

- **وما كان استغفار ابراهيم لا بيه الا عن موعدة وعدها اياه فلما تبين له انه عدو لله تبرا منه ان ابراهيم لا واه حليمo**

  اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے مغفرت مانگنا صرف اس وعدے کے سبب سے تھا جو اس نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے اس سے اعلان براءت کر دیا۔ بے شک ابراہیم بڑا ہی نرم دل اور بردبار تھا۔ (سورۃ التوبہ' آیت 114)

یہ آیات اس امر کی صراحت کرتی ہیں کہ وہ لوگ جنہیں معاف نہیں کیا جائے گا' وہ یہ امید نہیں رکھ سکتے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے گا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے ہمیں کئی ایسی کتابیں دکھائیں جن میں صوفیاء اور دوسرے مسلمانوں کے لیے اس وصف کا استعمال

کیا گیا تھا۔لیکن یہ بات ان کے لیے مفید مطلب نہیں ہوسکتی' کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' مومنین کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔اس امر کی تردید نہیں کی گئی کہ غیر مسلموں نے اس صفت کو استعمال نہیں کیا۔یہ ان کے دلائل کا مسکت جواب ہے۔

ایک اور متنازعہ اصطلاح ''صحابی'' ہے۔یہ لفظ مسلمہ طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے لیے استعمال نہیں ہوا۔لیکن قادیانیوں نے اسے مرزا صاحب کے ساتھیوں کے لیے استعمال کیا ہے۔

علامہ سخاوی نے اس اصطلاح کے یہ معنی لکھے ہیں ''ابوالحسین معتمد میں لکھتا ہے کہ صحابی وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی طویل صحبت پائی ہو اور ان سے علم سیکھا ہو۔''

(فتح المغیث صفحہ 371)

اس لیے صحابی وہ خوش نصیب انسان ہے جو ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مشرف ہوا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں فوت ہوا ہو (دیکھئے ملخص اصابہ' جلد 1' صفحہ 19 اور اسد الغابہ جلد 1' صفحات 18-19)۔ایک ایسے شخص' جسے جھوٹا نبی قرار دیا گیا ہو' کی صحبت اختیار کرنے والے شخص پر اس مخصوص اور فنی اصطلاح کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی قابل توجہ ہے:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم.

یہ حدیث ان تین نسلوں کا تذکرہ کرتی ہے جنہیں صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس حدیث سے بھی یہ واضح ہے کہ صحابہ وہ ہیں' جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی۔تابعین وہ ہیں' جو صحابہ کے بعد ہوئے اور انہوں نے رسول کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی اور تبع تابعین وہ لوگ ہیں' جو تابعین کے بعد ہوئے۔کسی شخص کے صحابی ہونے کے لیے اہم امر یا شرط یہ ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہو اور یہ زیارت بھی اس نے مومن ہونے کی حالت میں کی ہو اور پھر ایمان ہی کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی ہو' نہ کہ کفر کی حالت میں۔

دوسری اصطلاحات امیر المومنین' خلیفۃ المسلمین اور خلیفۃ المومنین ہیں۔یہ تینوں اصطلاحات' جن میں مومنین اور مسلمین کے الفاظ موجود ہیں' واضح طور پر مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص ہیں۔اعلیٰ ترین منصب پر فائز شخص' خواہ وہ صدر کہلاتا ہو یا وزیر اعظم' بادشاہ' خلیفۃ المومنین' خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین کے نام سے موسوم ہو' کی معروف شرط یہ ہے کہ اسے مسلمان ہونا چاہیے۔حضرت ابوبکرؓ نے خلیفۃ رسول اللہ کا لقب اختیار کیا۔اگرچہ ہر انسان خلیفۃ اللہ (زمین میں اللہ تعالیٰ کا نائب) ہے۔لیکن

حضرت ابوبکرؓ نے صرف خلیفۃ رسول اللہ کا لقب اختیار فرمایا۔ جب خلیفہ ثانی نے زمام خلافت سنبھالی تو ان کا خیال تھا کہ وہ خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ یعنی رسول اکرم ﷺ کے خلیفہ کے خلیفہ کہلائیں گے۔ لیکن محسوس ہوا کہ اگر ہر نئے حکمران کے لیے خلیفہ کا لفظ بڑھتا چلا گیا تو یہ بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے امیر المومنین کا لقب اختیار کر لیا (اسلام کا نظام حکومت صفحات 244-245) اس لیے امیر المومنین، یا خلیفۃ المسلمین یا خلیفۃ المومنین کے القاب صرف مسلمانوں کے سربراہان کے لیے مستعمل مخصوص ہیں۔ کوئی مسلمان پسند نہیں کرے گا کہ ایسے لوگ جو غیر مسلم ہیں یا جوامت مسلمہ سے خارج ہیں، وہ یہ لقب اختیار کریں۔ اس وجہ سے اور خصوصاً قادیانیوں کے ان القابات اور اصطلاحات کے استعمال کے نتیجے میں مسلمانوں کی ان سے عداوت کی بناء پر اس آرڈیننس کا نفاذ ہوا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی کہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کئی صوفیاء اور اولیاء کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ امیر المومنین کے الفاظ امام مالک کے لیے استعمال ہوئے۔ انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ نیز نظام حیدر آباد کے لیے بھی استعمال ہوئے جبکہ ایک صوفی کی ایک مرید عورت کے لیے ام المومنین کا لقب استعمال ہوا ہے۔

یہ دلائل نکتے سے غیر متعلق ہیں۔ مسلمانوں یا ان کے صوفیوں کے لیے ان اصطلاحات کا شاذ و نادر استعمال حجت نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ سب لوگ جن کے لیے ان کا استعمال ہوا تھا، وہ کم از کم مسلمان ضرور تھے اور کافر نہ تھے۔ ثانیاً ان کا استعمال حضرت رسول اللہ ﷺ کی نقل اتارنے کی نیت سے نہ تھا۔ ثالثاً یہ شاذ و نادر مثالیں ہیں۔

قادیانیوں کے ہاں ان اصطلاحات کا استعمال اس اصول پر مبنی ہے کہ مرزا صاحب رسول اکرم ﷺ کا بروز ہیں اور ان کی مزعومہ بعثت حضرت رسول اکرم ﷺ کی بعثت دوم ہے اور اس کے نتیجے میں مرزا صاحب کے ساتھی، بیوی، افراد خاندان اور جانشین اسی تکریم اور عقیدت کے مستحق ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے صحابہؓ، بیویوںؓ، اہل بیتؓ اور خلفاء کو حاصل ہے۔ ''اگر مرزا صاحب محمد ہیں تو ان کے صحابہؓ محمد رسول اللہ کے ہی صحابہؓ ہیں۔''

(الفضل قادیان جلد 3، نمبر 10 مورخہ 15 جولائی 1915ء بحوالہ قادیانی مذہب صفحہ 254، نیز ص 278 طبع دوم جدید 2001ء)

مرزا صاحب کی عبارت زیادہ واضح ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ''صار وجودی وجودہ (میرا وجود ان کا وجود بن گیا) اور جو کوئی بھی میری جماعت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔''

(خطبہ الہامیہ صفحات258-259 روحانی خزائن ج16 ص258‘259)

اس بارے میں زیر بحث آرڈیننس بالکل درست ہے۔

دوسرا مسئلہ اذان پر پابندی کے بارے میں ہے۔ آرڈیننس غیر مسلموں یعنی قادیانیوں کو لوگوں کو نماز کے لیے اذان کے کلمات پڑھ کر بلانے سے روکتا ہے۔ اذان کا معنی ’’پکار‘‘ ہے اور موذن ’’پکارنے والا‘‘ ہوتا ہے۔ یہ لغوی معانی آیاتِ قرآنیہ نمبر 44:7‘70:12 اور 22:27 سے واضح ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

- قالوا نعم فاذن موذن بینھم ان لعنة الله علی الظلمینo

وہ کہیں گے ہاں! پھر ایک منادی کرنے والا ان کے بیچ میں پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر! (الاعراف۔ آیت 44)

- ثم اذن موذن ایتھا العیر انکم لسارقونo

پھر ایک منادی نے آواز دی اے قافلہ والو تم لوگ چور ہو۔ (یوسف۔ آیت 70)

- واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یا تین من کل فحج عمیقo

اور لوگوں میں حج کی منادی کرو۔ وہ تمہارے پاس آئیں گے پیادہ بھی اور لاغر اونٹنیوں پر بھی جو پہنچیں گی دور دراز گہرے پہاڑی راستوں سے۔ (الحج۔ آیت 27)

ان تینوں آیات میں اذن کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اذان اسی کا اسم ہے اور اس کا معنی پکار یا ندا ہے۔ پکار سے مقصود اطلاع دینا ہوتا ہے اور موذن منادی کے معنی میں مستعمل ہے۔ اذن‘ اذان اور موذن کے یہ لغوی معانی ہیں۔ آیت نمبر 62:9 میں اذا نودی للصلوة (جب نماز کے لیے پکارا جائے) کے کلمات میں نماز کے لیے پکارنے کے اس طریقے کا تذکرہ ہے جو اذان کے نام سے مشہور ہے۔ اس لیے ان کا ترجمہ جب اذان دی جائے‘ کیا جائے گا۔ یہ آیت کریمہ مع ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

یایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله و ذروالبیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمونo

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف مستعدی سے چل کھڑے ہو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

(جمعتہ۔آیت 9)

ہجرت سے پہلے اذان کا کوئی تصور نہ تھا۔ہجرت کے بعد ایک شخص لوگوں کو نماز کے لیے الصلوٰۃ جامعۃ کہہ کر بلاتا جس کا معنی یہ ہے کہ نماز کی جماعت تیار ہے۔آنحضرت ﷺ نے نماز کے لیے بلانے کے نظم کو اہمیت دی۔آپؐ کے تین صحابہ حضرت ابوبکرؓ ' حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے طریقہ اذان کے خواب دیکھے۔ان تینوں خوابوں میں سے حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمرؓ کے خواب بہت معروف ہیں۔حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے اسی رات رسول اللہ ﷺ کو اپنے خواب کا واقعہ بتادیا۔لیکن حضرت عمرؓ نے آپ کو صبح اطلاع دی۔اس دن سے آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دے دیا کہ وہ یہ اذان پڑھ کر لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں۔بعد میں حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) کے الفاظ کا اضافہ کر دیا اور آپؐ نے ان کی منظوری دے دی۔(الجامع الاحکام القرآن قرطبی جلد 2' صفحہ 225)

اذان کے وجوب کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔تاہم جیسا کہ ابو عمر کا کہنا ہے'اذان دارالاسلام اور دارالحرب کے مابین امتیازی صفت یا علامت ہے۔(ایضاً)

یہ دین اسلام کی امتیازی خصوصیت یا علامتوں میں سے ایک ہے۔اس لیے یہ مسلمانوں کا شعار یعنی ان کا امتیازی نشان ہے۔(البحر الرائق ابن نجیم جلد 1' صفحہ 240) بتایا گیا ہے کہ اس امر پر اجماع ہے کہ یہ اسلام کا شعار (امتیازی نشان) ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری' حجتہ اللہ البالغتہ از شاہ ولی اللہ جلد 1' صفحہ 474)

اذان کے شعائر اسلام ہونے کے لیے یہ دلائل کافی ہوں گے:

(1) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کو ان کی عبادت گاہوں کی طرف بلانے کی مشہور شکلیں یہ تھیں:

(الف) نرسنگا پھونکنا۔

(ب) گھنٹی بجانا۔

(ج) آگ جلانا۔

لیکن آنحضرت ﷺ نے ان میں سے کوئی شکل یا طریقہ پسند نہیں فرمایا بلکہ آخرکار اذان کے کلمات پڑھ کر بلانے کو پسند فرمایا۔

(2) اسلام کا اصول یہ ہے کہ اذان پڑھنے والے شخص کو مسلمان تصور کیا جائے گا تا آنکہ اس کے برعکس ثابت ہو جائے۔ابن

عصام مزنی کے والد سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ایک فوجی مہم پر بھیجا اور فرمایا کہ جب تم کوئی مسجد دیکھو یا موذن کی اذان سنو تو پھر کسی کو قتل نہ کرو۔ (سنن ابی داؤد جلد 1' صفحہ 351)۔ یہی حدیث صحیح بخاری جلد 1' صفحہ 86 پر حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے۔

(3) ایک اور حدیث یوں مروی ہے:

عن انس ان النبی ﷺ کان یغیر عند صلوۃ الصبح و کان یستمع فاذا سمع اذانا امسک و الا اغار.

(نبی ﷺ دشمن پر نماز فجر کے وقت حملہ کرتے تھے۔ آپ غور سے سنتے تھے اور اگر آپ وہاں اذان کی آواز سنتے تو رک جاتے' ورنہ حملہ کر دیتے)۔

(سنن ابی داؤد جلد 1' صفحہ 354' مشکوۃ جلد 1' صفحہ 160 اردو ترجمہ)

پہلی حدیث مذکور آنحضرت ﷺ کی ہدایت اور اذان سننے پر حملہ نہ کرنے کے معمول کی وجہ یہ ہے کہ اذان سے اس امر کا ظن غالب ہوتا ہے کہ اس آبادی میں مقیم لوگ مسلمان ہیں اور وہ حملے سے محفوظ ہوں گے۔

اسی لیے فقہاء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جو شخص اذان پڑھتا ہے اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔ اگر لوگ کسی ذمی کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ اس نے اذان دی ہے تو اسے مسلمان تصور کیا جائے گا۔ (البحر الرائق جلد 1' ابن نجیم صفحہ 279' ردالمختار از ابن عابدین جلد 1' صفحہ 353)

ان آراء سے استدلال کرتے ہوئے مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی ہے کہ جو شخص اذان پڑھتا ہے' اسے مسلمان تصور کیا جانا چاہیے۔ لیکن یہ دلیل درست نہیں ہے کیونکہ مذکورہ حدیث کا منشا صرف اس قدر ہے کہ اذان کہنے سے کسی شخص کے حق میں اس کے مسلمان ہونے کا احتمال ہوتا ہے لیکن یہ احتمال قطعی نہیں ہوتا بلکہ غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ آخر الامر اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اذان پڑھنے والا شخص فی الواقع غیر مسلم ہے یا اس کے ایسے عقائد سامنے آ جائیں' جن سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ غیر مسلم ہے' تو اسے محض اس بناء پر اذان کہنے کا فائدہ اٹھانے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے استحقاق کا دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ردالمختار جلد 1' صفحہ 279 پر اس امر کی توضیح کی گئی ہے کہ کسی مسجد میں موذن کے اذان پڑھنے سے یہ غالب احتمال ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے کیونکہ اذان کہنے کی اجازت عموماً صرف مسلمان ہی کو دی جاتی ہے یعنی اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو اس مسجد کے

نمازی اسے اذان پڑھنے کی اجازت نہ دیتے۔ تاہم اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ کافر کی اذان درست نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کوئی شخص صرف اذان کہنے سے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر وہ معمول کے مطابق ایسا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا عقیدہ رکھتا ہے تو اس کے اسلام کا احتمال قوی ہوگا۔

اب ہم مسٹر مجیب الرحمٰن کے استدلال پر بحث کرتے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ بالا احادیث نبویہ اور قرآن کریم کی آیت نمبر 4:49 پر بنیاد رکھی ہے۔

یہ آیت یوں ہے:

یـایھا الذین اٰمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومنا تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا فعند اللہ مغانم کثیرۃ کذلک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم فتبینوا ان اللہ کان بما تعملون خبیرا o

اے ایمان والو! جب تم خدا کی راہ میں نکلا کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے اس کو دنیوی زندگی کے سامان کی خاطر یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ اللہ کے پاس بہت سامان غنیمت ہے۔ تمہارا حال بھی پہلے ایسا ہی رہ چکا ہے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل فرمایا۔ پس تحقیق کر لیا کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ (النساء۔ آیت 94)

اس دلیل کا جواب خود آیت میں موجود لفظ فتبیـــنـــوا (پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو) ہے۔ مسلمانوں کی طرح سلام کرنے 'لا الہ الا اللہ' کہنے یا اذان پڑھنے یا مسجد ایسی عبادت گاہ میں نماز پڑھنے سے کسی شخص کے مسلمان ہونے کا احتمال ہوتا ہے لیکن یہ غلط بھی ہو سکتا ہے' جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر غلط ہونے کا ثبوت موجود ہو تو اسے مومن یا مسلم نہیں کہا جائے گا۔

پروفیسر طاہر القادری نے دلیل دی کہ کتاب اللہ حق اور باطل کے درمیان تمیز کرتی ہے۔ انہوں نے ان آیاتِ قرآنیہ کے حوالے دیئے۔ آیات نمبر 1:25' 34:41' 100:5' 22:35' 20:59' 4:34' 14:57 اور 18:32 میں مسلم اور مومن کی تعریف کر دی گئی ہے اور ان کی صفات بیان کر دی گئی ہیں۔ جیسے باطل کو حق کا نام دینا اور شر کو خیر قرار دینا ناممکن ہے' ٹھیک اسی طرح ایک غیر مسلم کو مسلمان کہنے یا اس کے برعکس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ایک معروف حدیث مروی ہے کہ جو کسی ایسے شخص کو کافر کہے جو کافر نہیں ہے تو یہ کفر غلط الزام لگانے والے پر لوٹ آئے گا۔ ایسی کوئی وجہ نہیں کہ ایک غیر مسلم کو مومن یا مسلم کہا جائے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے تسلیم کیا کہ اذان مسلمانوں کا شعار ہے لیکن کہا کہ یہ قادیانیوں کا بھی شعار ہے اور جب یہ دونوں کا یکساں شعار ہے تو پھر یہ مسئلہ قرآن کریم کی آیات نمبر 2:5 اور 3:64 کے مطابق طے کیا جائے گا۔ دونوں آیاتِ کریمہ درج ذیل ہیں۔

یایھا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا امین البیت الحرام یبتغون فضلاً من ربھم ورضواناً واذا حللتم فاصطادو ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقابo

اے ایمان والو! اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو' نہ محترم مہینوں کی اور نہ قربانیوں کی اور نہ پٹے بندھے ہوئے نذر کے جانوروں کی اور نہ بیت اللہ کے عازمین کی جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب بن کر نکلتے ہیں اور جب حالت احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کرو۔ اور کسی قوم کی دشمنی' کہ اس نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے' تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم حدود سے تجاوز کرو۔

اور تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور تعدی میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت پاداش والا ہے۔ (المائدہ۔ آیت 2)

قل یاھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم اَلا نعبد اِلا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمونo

کہہ دو اے اہل کتاب اس چیز کی طرف آ ؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے' یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔ (آل عمران۔ آیت 64)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس آیت کے الفاظ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم کا ترجمہ پکتھل نے "اس معاہدے کی طرف آ ؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے" کیا ہے۔ یہ ترجمہ درست نہیں' کیونکہ اس آیت میں کسی معاہدے کا تذکرہ نہیں بلکہ ایسی چیز کا ذکر کیا گیا جو دونوں میں یکساں مشترک ہے۔ تاہم مولانا فتح محمد کا اردو ترجمہ بالکل صحیح ہے اور اوپر دیئے ہوئے

ترجمہ میں اسی کی عکاسی کی گئی ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن کا استدلال یہ ہے کہ جو امر قادیانیوں اور مسلمانوں کے مابین مستحسن اور مشترک ہو اس میں مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ دونوں کے درمیان کلمۃ سواء ہے۔ کلمۃ سواء کی تفسیر کے لیے انہوں نے مدارک التنزیل جلد اول صفحہ 222 کا حوالہ دیا کہ کلمۃ سواء یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان ایک یکساں مشترک امر جس کے بارے میں قرآن، تورات اور انجیل میں اختلاف موجود نہیں ہے۔ اور کلمۃ کی تفسیر خود یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں)۔ امام ابن کثیر کہتے ہیں کہ "کلمۃ سواء سے مراد صرف خدائے واحد کی عبادت کرنا ہے کیونکہ یہ تمام انبیاء کی مشترک دعوت تھی۔" (تفسیر ابن کثیر اردو جلد اول صفحہ 67)

امام سیوطی کی الدر المنثور (جلد 2 صفحہ 40) میں ہے کہ "کلمۃ سواء سے مراد لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) ہے۔" مفتی محمد شفیع کلمۃ سواء کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس پر لوگوں کو مل جانا چاہیے۔ اس سے مسٹر مجیب الرحمٰن نے یہ استنباط کیا ہے کہ ایسے امر کو قابل سزا جرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن پاک کی سورہ نمبر 41 کی آیت نمبر 33 میں ارشاد ہوا ہے:

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین٥

اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (حم سجدہ۔ آیت 33)

کلبی کے مطابق اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب موذن اذان پڑھتا اور مسلمان نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تو یہودی ان پر طنز کرتے اور موذن کے بارے میں نازیبا کلمات بولتے تھے۔ اس لیے آیت میں اذان کو احسن قول (بہترین بات یا سب سے اچھی بات) فرمایا گیا۔ (قرطبی جلد 6 صفحات 224-225)

یہ امر پہلے واضح ہو چکا ہے کہ کسی غیر مسلم کی اذان، اذان شمار نہیں ہوگی اور اس لیے اس پر "بہترین بات" کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس آیت میں ایک مومن یا مسلم کی تعریف کی گئی ہے جس سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ اذان "احسن قول" (بہترین بات) صرف اس وقت شمار ہوگی جب اسے کوئی مسلمان پڑھے کیونکہ اس کا صحیح حق یہی ہے کہ اسے ایسا شخص پڑھے جو عمل صالح اور مسلمانوں کے عقیدے کا حامل ہو۔

عدالت کے سامنے قرآن کریم کی آیت نمبر 2:5 کے شان نزول کے بارے میں اختلاف کا اظہار کیا گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا اس آیت میں شعائر اللہ سے مراد مشرکین کے امتیازی نشانات یا خصوصیات ہیں یا مسلمانوں کی۔ مسٹر مجیب الرحمٰن نے مفسرین کی آراء سے اس نقطہ نظر کی تائید میں حوالے پیش کیے کہ اس آیت میں شعائر سے مراد مشرکین کے امتیازی نشانات ہیں جبکہ مسٹر ریاض الحسن گیلانی نے ان کے مخالف آراء کا سہارا لیا۔ پیر محمد کرم شاہ' جواب سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کے جج ہیں' اپنی معروف تفسیر ضیاء القرآن میں مسٹر مجیب الرحمٰن کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔

کچھ آراء ایسی بھی ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی کہ آیت کا یہ حصہ **لا تحلوا شعائر الله** ہرگز منسوخ نہیں ہوا۔

اس اختلاف میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اگر اس آیت کا تعلق حج کے موقع پر قربانیاں لانے اور انہیں منیٰ میں ذبح کرنے سے متعلق غیر مسلموں کے شعائر سے بھی ہو' تو آیت نمبر 28:9 میں ایک مختلف حکم دیا گیا تھا۔ یہ آیت کریمہ حسب ذیل ہے:

o **یا ایها الذین امنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا. وان خفتم عیلة فسوف یغنیکم الله من فضله ان شاء ان الله علیم حکیم.**

اے ایمان والو! یہ مشرکین بالکل نجس ہیں تو یہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں۔
اور اگر تمہیں غربت کا اندیشہ ہو تو اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو مستغنی کر دے گا۔ بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ (التوبہ۔ آیت 28)

مشرکین کو کعبہ کے قریب پھٹکنے سے روک دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ اس حکم الٰہی کے نفاذ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یہ حکم دے کر مکہ روانہ کیا کہ آئندہ غیر مسلموں کو حج سے منع کر دیا جائے۔

اس حکم میں مشرکین کو کعبے میں اپنے شعائر کی ادائیگی سے روک دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے انہیں حج اور زیارت کے شعائر سے منع کر دیا گیا۔

(دیکھیے تفہیم القرآن' جلد 2' صفحہ 186 حاشیہ 25)۔

اس سے یہ بدیہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کسی غیر مسلم کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ شعائر اسلام کو

اختیار کرے کیونکہ شعائر کا مفہوم یہ ہے کہ امت کی ایسی خصوصیات یا امتیازی نشانات جن سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ اگر کوئی اسلامی ریاست برسراقتدار ہونے کے باوجود غیر مسلموں کو ایسے شعائر اسلام اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے جن سے امت مسلمہ کی امتیازی حیثیت متاثر ہوتی ہے' تو یہ اس ریاست کی غفلت اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکامی شمار ہوگی۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو شعائر اسلام اختیار کرنے کی کھلی اجازت دے دینا شعائر اسلام سے غیر قانونی سلوک کے مترادف ہے' اس لیے ان کی ممانعت کر دینا اشد ضروری ہے۔ مندرجہ بالا آیت نمبر 28:9 اور اس کے نتیجے میں آنحضرت ﷺ کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے قانون سازی کے اختیارات میں غیر مسلموں کو شعائر اسلام اختیار کرنے کی ممانعت کر دینا شامل ہے اور یہ بھی اسلامی ریاست کے تشریعی اختیارات میں شامل ہے کہ وہ ایسے غیر مسلموں کو سزا دے جو شعائر اسلام اختیار کرنے سے باز نہیں رہتے۔ زیر بحث آرڈیننس میں یہی سزا دی گئی ہے۔ اس سے مسٹر مجیب الرحمٰن کے تعزیر کے بارے میں دلائل کا احاطہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں مسٹر مجیب الرحمٰن نے درج ذیل نکات پیش کیے:

1۔ اگر اذان شعائر اسلام ہے اور یہی شعائر غیر مسلموں میں مشترک ہو تو کیا غیر مسلموں کو اس سے روک دیا جائے گا؟

2۔ کیا کلمۃ سواء کے بارے میں حکم کے مطابق یہ لازمی نہیں ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم اس میں اکٹھے شریک رہیں؟

3۔ کیا احسن قول (بہترین بات) کو پڑھنا قابل سزا جرم قرار دیا جا سکتا ہے؟

ان سوالات کے جوابات پہلے دیئے جا چکے ہیں اور اب ان کا خلاصہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ آیت نمبر 28:9 اور اس سے اخذ کردہ قوانین کی روشنی میں غیر مسلموں کو ایسے شعائر کی ادائیگی کی ممانعت کی جا سکتی ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مشترک ہوں۔ کلمۃ سواء مختلف معاملات کے لیے استعمال ہوا ہے لیکن پہلے سوال کے جواب کی وجہ سے دوسرا سوال غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ تاہم اس امر پر زور دیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ کفار بھی طواف کرتے تھے لیکن جب مسلمانوں نے خانہ کعبہ کا انتظام سنبھال لیا تو انہیں اس سے روک دیا گیا۔ یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ کسی غیر مسلم کی اذان پر احسن قول کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور اگر پہلے سوال کے جواب کی رُو سے کسی شخص پر ایسے شعائر کی ادائیگی کی پابندی لگائی جا سکتی ہے تو اسے اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے پر سزا دینے کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے۔

جب قادیانی قادیان میں تھے اور وہاں ان کی اکثریت تھی اور انہیں کافی قوت حاصل تھی تو ان کا اپنا طرز عمل بہت ملتا جلتا ہے۔ قادیانیوں نے مسلمانوں کو خود ان کی اپنی مساجد میں اذان دینے سے روک دیا تھا۔ احرار نے قادیان میں مسلمانوں کی

مساجد میں اذان کہنے کے لیے کچھ رضا کار بھیجے لیکن قادیانیوں نے ان پر لاٹھیوں سے حملہ کر دیا اور ان سب کو کئی زخم لگائے اور وہ ہسپتالوں میں بستروں پر پڑے رہے۔(تحریک ختم نبوت 1974ء از شورش کاشمیری صفحہ 78) یہ انگریز سرکار کے دور میں وحشیانہ قوت کے بل بوتے پر ہوا ہوگا۔ یہ اس امر کی مثال ہے کہ جس چیز کو وہ اپنا شعار (امتیازی نشان) خیال کرتے تھے اسے انہوں نے مسلمانوں کے لیے عملاً غیر قانونی قرار دے دیا تھا۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ برسر اقتدار اکثریت کی جانب سے ایسی پابندی قانونی ہوگی۔

ان کی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینے پر پابندی کے خلاف مسٹر مجیب الرحمٰن کی دلیل یہ تھی کہ قرآن کریم کی رو سے مسجد کا لفظ صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ یہ ایسے لوگوں کی عبادت گاہوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جو اب غیر مسلم ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا گزشتہ 1400 سال میں کبھی بھی غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو مسجد کا نام دیا گیا ہے' تو ان کا جواب نفی میں تھا لیکن چند دن کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ کم از کم کراچی میں یہودیوں کی ایک ایسی عبادت گاہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس پر مسجد بنی اسرائیل' کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس تحریر کی تصویریں پیش کیں' جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ یہودیوں کا معبد ہے اس کا ترجمہ کسی نے مسجد بنی اسرائیل' کر دیا ہے۔ ایسا نام یہودیوں میں عام طور پر رائج نہیں ہے۔

یہ مسئلہ کہ قرآن میں آنحضرت ﷺ کے پیروکاروں کے علاوہ دوسروں کی عبادت گاہ کو مسجد کہا گیا ہے' نکتے سے غیر متعلق ہے۔ ابتدا یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ہی اسلام دین الٰہی چلا آ رہا ہے۔ اگر کسی اور نبی کی امت کے لوگوں' جو اس وقت کے دین اسلام کے پیروکار تھے' کی عبادت گاہوں کے لیے مسجد کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو بھی مسجد ہی کا نام دیا جائے گا۔ نکتہ یہ ہے کہ گزشتہ 1400 سال میں یہ نام صرف مسلمانوں ہی کی عبادت گاہوں کے لیے مخصوص رہا ہے اور یہ رواج صرف مسلمانوں ہی میں رہا ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو مساجد کا نام دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں مساجد کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن اب یہی لفظ صرف مسلمانوں کی عبادت گاہوں کے فنی مفہوم میں سمجھا جاتا ہے۔(دیکھئے **العلاقات الدولیته فی الاسلام** صفحہ 202) اس کی روشنی میں تو عید گاہ بھی مسجد نہیں ہے۔

قرآن پاک کی آیت نمبر 40:22 کا حوالہ دیا گیا ہے' جو یہ ہے:

- **الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله ولو لا دفع الله الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوت و مسجد یذکر فیھا اسم الله کثیرا.**

وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بے قصور محض اس بنا پر نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کنیسے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے' ڈھائے جا چکے ہوتے۔

- **ولینصرن الله من ینصره ان الله لقوی عزیزo**

اور بے شک اللہ ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کے لیے اٹھیں گے۔ بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔ (الحج۔ آیت 40)

استدلال کیا گیا تھا کہ تمام ادیان کی عبادت گاہوں کو حاصل تقدس کی بناء پر کسی شخص کو اپنی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینے سے نہیں روکا جا سکتا۔ تاہم قرطبی نے واضح کیا ہے کہ عبادت گاہوں کے مذکورہ ناموں میں سے خانقاہوں' گرجوں' کنیسوں کا تعلق غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور استھانوں سے ہے' جبکہ مساجد کا لفظ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کے تذکرے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (احکام القرآن جلد 12' صفحہ 72) لیکن اگر یہ فرض کرلیں کہ مسجد کا لفظ ان لوگوں کی عبادت گاہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جو حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد غیر مسلموں کے زمرے میں آتے ہیں' تو پھر بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسجد کا لفظ ایسے لوگوں کی عبادت گاہ کے لیے استعمال ہوا ہے کہ جو اس وقت مسلمان ہی تھے۔

اس حدیث کی روشنی میں جس کا ذکر پہلے اذان کی بحث میں کیا جا چکا ہے' مسجد کو بھی اسلام کا شعار قرار دیا گیا ہے۔ جہاں مسجد پائی جائے وہاں قتل کرنے سے منع کر دیا گیا' کیونکہ مسجد اسلام کا امتیازی نشان یا شعار ہے۔ جو شخص اس میں نماز پڑھتا ہے وہ مسلمان قرار پائے گا' الا یہ کہ اس کے خلاف ثبوت مل جائے۔

سورہ توبہ کی آیات 17 اور 18 اس مسئلے کا حل پیش کرتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

- **ما کان للمشرکین ان یعمروا مسٰجد الله شاھدین علی انفسھم بالکفر اولئک حبطت اعمالھم وفی النار ھم خلدونo**

مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی مساجد کا انتظام کریں درآنحالیکہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ ہیں۔ان لوگوں کے سارے اعمال برباد ہوگئے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے تو یہی ہیں۔

o انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المھتدینo

اللہ کی مساجد کا انتظام کرنے والے تو صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز قائم کرتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں۔یہ لوگ توقع ہے کہ ہدایت یافتہ بنیں۔ (التوبہ۔آیت 18:17)

اس مسئلے میں اختلافِ رائے موجود ہے کہ کیا غیر مسلم یا مشرکین مسجد تعمیر کر سکتے ہیں یا اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔تعمیر کے بارے میں مسلمہ اصول یہ ہے کہ مسجد خواہ غیر مسلم نے تعمیر کی ہو اُسے مسلمانوں کی عبادت گاہ کے طور پر ہی استعمال ہونا چاہیے۔ البتہ داخل ہونے کے بارے میں اختلافِ رائے ہے۔مالکی اور حنبلی ان کے مسجد میں داخلے کے خلاف ہیں۔شافعیہ کے نزدیک مسجد الحرام کے سوا باقی مساجد میں انتظامیہ کی اجازت کے ساتھ جائز ہے۔حنفیہ کے ہاں وہ مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے منافقین کو مسجد سے نکال دیا تھا۔عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، تو آپ نے چند اشخاص جو نماز کے لیے جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، کا نام لے کر انہیں مسجد سے باہر نکل جانے کا حکم دیا کیونکہ وہ منافق تھے۔

(روح المعانی آلوسی، جلد 2 صفحہ 10)

اس بحث کو معروف احمدی سر ظفر اللہ خان کی رائے پر ختم کیا جاتا ہے۔

”اگر احمدی غیر مسلم ہیں تو پھر ان کا مسجد سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔“

(تحدیث نعمت صفحہ 162)

انہوں نے مسئلے کو بالکل درست پیش کیا ہے لیکن آرڈیننس قادیانیوں کو صرف اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کا نام رکھنے یا پکارنے سے روکتا ہے۔شریعت کی نگاہ میں یہ قابلِ اعتراض امر نہیں ہے بلکہ اس سے شریعت کے مقصد کو فروغ ملتا ہے۔

ارتداد کے اصول کی موجودگی میں اسلامی ریاست میں دیگر مذاہب کی اشاعت کا حق غیر محدود نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

یاایھا الذین امنوا من یرتدمنکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیمo

اے ایمان والو! جوتم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا' تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں وہ جلد ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ وہ مسلمانوں کے لیے نرم مزاج اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہوں گے' اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے بخشے گا اور اللہ بڑی وسعت رکھنے والا اور علم والا ہے۔ (المائدہ۔ آیت 54)

o **ومن یرتددمنکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولئک اصحب النار ھم فیھا خلدونo**

اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا اور حالت کفر میں مرجائے گا تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور یہی لوگ دوزخ میں پڑنے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ۔ آیت 217)

اس مسئلے کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ تمام مذاہب کی یہ مسلمہ روایت رہی ہے کہ کسی شخص کی ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں تبدیلی اس کے ہم مذہب افراد کی نگاہوں میں دشمنی سے کم شمار نہیں ہوتی۔ اس کی مناسب مثال اچھوتوں کے اجتماعی قبول اسلام پر ان سے ہندوؤں' جن میں نام نہاد سیکولر ریاست کے حکمران شامل ہیں' کی عداوت ومخاصمت ہے۔

ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں ایسی تبدیلی غالباً اس مذہبی جماعت کے لیے باعث انتشار ہوتی ہو۔ قادیانی لٹریچر میں بھی اگر کوئی مسلمان قادیانی ہو جائے اور پھر دوبارہ اسلام قبول کرے تو وہ مرتد شمار ہوتا ہے اور ایک غیر مسلم ہی کی طرح عذاب جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ان حالات میں یہ قرار دینا مشکل ہے کہ اسلام غیر مسلموں کو یہ بنیادی حق دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی غیر مشروط تبلیغ کرتے رہیں۔

تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ خلیفہ یا بادشاہ کے دربار میں کسی مذہب کی برتری پر مباحثے منعقد ہوتے تھے جن میں مسلمان اور غیر مسلم علمائے دین برابر شرکت کرتے۔ لیکن ان واقعات کو اس امر کی موثر دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا کہ یہ کسی کا

مسلمہ حق ہے کہ وہ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے انہیں غیر مسلم بناتا رہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ اسلام غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق دیتا ہے' قرآن کریم کی کسی آیت' حدیث نبوی یا کسی فقیہ کے قول سے براہِ راست استدلال نہیں کیا۔

انہوں نے کہا کہ قرآن کی رُو سے تبلیغ ایک فریضہ ہے اور اس فریضے کی تکمیل اس سے ہوتی ہے کہ کافر کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہو۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیت 2:170 کا حوالہ دیا:

o واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباء نا اولو کان اباء ھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون o

اور جب اُن کو دعوت دی جاتی ہے کہ خدا کی اتاری ہوئی چیز کی پیروی کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اس صورت میں بھی جب کہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے رہے ہوں اور نہ راہِ ہدایت پر رہے ہوں۔ (البقرۃ۔آیت 170)

اور کہا کہ یہ آیت آباء واجداد کی اندھی پیروی کی مذمت کرتی ہے۔ انہوں نے آیات نمبر 2:112' 5:105' 26:71 تا 75 اور 43:21 کا بھی حوالہ دیا اور کہا: ان آیات کے یکجا مطالعے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ جب حضورؐ کفار کو سچے پیغام کی تبلیغ فرماتے تو ان کا یہی جواب ہوتا کہ ہمارے لیے ہمارے آباء واجداد ہی کافی ہیں' خواہ ان کے آباء واجداد عقل وہدایت سے یکسر عاری تھے۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ ہر دو قسم کے دلائل یعنی آفاقی اور انفسی کو اختیار کرتے ہوئے نظریہ تقلید پر اس زور کو ختم کر دیا جائے۔ آفاقی دلائل کا تعلق نظام قدرت' ارض وسماء کی تخلیق اور دن رات کی گردش وغیرہ ان مظاہر قدرت سے ہے جن کا تذکرہ قرآن کریم نے کر دیا ہے۔ انہیں اس نظام کے حسن وجمال اور عمدہ نظم پر متوجہ کرتے ہوئے قائل کیا جائے کہ دو خداؤں کی موجودگی میں یہ ناممکن ہوتا۔ انفسی دلائل کا مفہوم یہ ہے کہ وہ زندگی کے مختلف مراحل کی تخلیق میں تامل وتدبر کریں گے تو اس حقیقت کو پالیں گے کہ انسان کی تخلیق صرف ایک خدا کا عمل ہے۔ یہی وہ انداز ہے جسے اختیار کرتے ہوئے قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن.

اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اس طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔ (النحل۔آیت 125)

انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ اصل چیز حجت ہے:

ولکن لیقضی اللہ امرا کان مفعولا لیھلک من ھلک عن بینة و یحیی من حی عن بینة.

اور تا کہ اللہ اس امر کا فیصلہ فرما دے جس کا ہونا طے ہو چکا تھا تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے' حجت دیکھ کر ہلاک ہو اور جسے زندگی حاصل کرنی ہے وہ حجت دیکھ کر زندگی حاصل کرے۔

(الانفال۔ آیت 42)

آخر میں انہوں نے آیات نمبر 148:6' 75:28' 37:156......157'64:27'24:21' اور 111:2 کا حوالہ دیا۔ ان آیات کے متعلقہ حصے یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا.

پوچھو تمہارے پاس ہے اس کا کوئی علم کہ تم اس کو ہمارے سامنے پیش کر سکو۔

(الانعام۔ آیت 148)

امر لکم سلطن مبین٥ فاتوا بکتبکم ان کنتم صدقین٥

کیا تمہارے پاس کوئی واضح حجت ہے پس پیش کرو تم اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔

(الصٰفٰت۔ آیات 157:156)

فقلنا ھاتوا برھانکم.

پس ہم کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو۔ (القصص۔ آیت 75)

قل ھاتوا برھانکم.

ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو۔ (الانبیاء۔ آیت 24)

قل ھاتوا برھانکم

کہو کہ تم اپنی دلیل لاؤ! (النحل۔ آیت 64)

قل ھاتوا برھانکم.

تم کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو! (البقرة۔ آیت 111)

انہوں نے ان آیات کی توضیح کے لیے متعدد تفاسیر کے حوالے پیش کیے۔انہیں یہاں نقل کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ ان آیات کے معانی بالکل واضح ہیں کہ مسلمان مشرکین اور غیر مسلموں سے ان کے پختہ عقائد کے بارے میں حجت طلب کر سکتے ہیں۔

لیکن مسٹر مجیب الرحمٰن کا استدلال یہ ہے کہ اس سے غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے انہیں مرتد بنانے کا حق ملتا ہے۔

ہم ادنیٰ سے ادنیٰ امکان کی حد تک بھی اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

یہ تمام آیات اسلام کی دعوت و تبلیغ کے اصولوں اور اس کے اسلوب اور طریقہ کار سے متعلق ہیں۔اصول یہ ہے کہ کسی غیر مسلم سے اسلام کی دعوت پر گفتگو کرتے ہوئے مسلمان کو نہایت شائستہ اور نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے اور نہ صرف اسلام کے تمام اچھے نکات کو معقول اور مدلل طریقے سے پیش کرنا چاہیے بلکہ غیر مسلم کو یہ موقع دینا چاہیے کہ وہ بھی اپنے دین کے اچھے پہلوؤں کے بارے میں اس کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کرے۔یہ ضروری ہے کہ غیر مسلم کو اپنے دین کے بارے میں اپنا موقف کھل کر بیان کرنے دیا جائے تاکہ مسلمان اس کی تردید کر سکے اور دیگر مذاہب کے تخیلاتی فلسفے پر اسلام کی برتری کو ثابت کر سکے۔ درحقیقت قرآن دو افراد کے درمیان اس قسم کی آزادانہ بحث ہی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ' جیسا کہ ھاتوا برھانکم (اپنی دلیل پیش کرو) سے ظاہر ہے' مسلمان سے کہتا ہے کہ غیر مسلم کو چیلنج دو کہ وہ اپنے عقیدے کی صداقت کے دلائل سامنے لائے۔ درحقیقت یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ غیر مسلم ایسے دلائل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

(دیکھئے المراغی جلد 1) کہا گیا ہے **فھو فی عرف التخاطب تکذیب** خطاب کے عرف میں یہ انہیں جھوٹا قرار دینے کی ایک شکل ہے۔یہ قطعی بات ہے کہ قرآن کریم کے دلائل ناقابل تردید ہیں۔کفر کی تائید میں کوئی دلیل پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس سے اس امکان کی نفی ہو جاتی ہے کہ مسلمان' غیر مسلم کے اپنے مذہب کے حق میں دلائل سے متاثر ہو کر مرتد ہو جائے گا۔یہ آیات تبلیغ کی صرف اس صورت پر چسپاں ہوتی ہیں' جو غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے کی جائے۔ان آیات کا رخ موڑ کر انہیں غیر مسلموں کے اس دعوے کی تائید میں پیش نہیں کیا جا سکتا کہ انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہے۔جیسا کہ پہلے بیان گزر چکا ہے قرآن کریم' سنت رسول ﷺ یا ان کی تفاسیر و شروح میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس میں غیر مسلموں کے حق کو تسلیم کیا گیا ہو کہ وہ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تشہیر و تبلیغ کریں۔یہ آیات اور ان کی تفسیریں اس دعوے

کی تائید نہیں کرتیں کہ غیر مسلموں کو یہ بنیادی حق حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تشہیر و تبلیغ کریں۔ اس کے باوجود اسلامی ریاست کو یہ اختیار ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت دے' جیسا کہ آئین کی دفعہ 20 میں دی گئی ہے۔ تاہم یہ اجازت صرف اس صورت میں دی جاسکتی ہے جبکہ غیر مسلم' غیر مسلم کی حیثیت سے تبلیغ کریں نہ کہ خود کو مسلمان ظاہر کر کے۔ یہ مقننہ کا کام ہے کہ وہ دیگر شرائط وضع کرے۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''اسلامی ریاست'' کے صفحات 582 تا 602 پر اقلیتوں کے حقوق پر مفصل بحث کی ہے اور ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لیے مواد چھاپنے کے حق میں بھی بیان کیا ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ اس امر کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ کسی مسلمان کو انفرادی طور پر کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ کی جائے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان اپنا دین بدلنے کا مجاز نہ ہوگا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اس اعلان سے بھی حوالے پیش کیے جو 1948ء میں منظور ہوا تھا' جس دفعہ کا انہوں نے ذکر کیا تھا وہ یوں ہے:

''دفعہ 18۔ ہر شخص کو سوچ' ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں اپنا مذہب یا عقیدہ بدلنے کی آزادی اور خواہ انفرادی طور پر یا برادری میں دوسروں کے ہمراہ یا عوام میں یا نجی طور پر اپنے مذہب یا عقیدے کو تعلیم' عمل' عبادت اور رسوم میں ظاہر کرنے کی آزادی شامل ہے۔''

اس چارٹر میں کسی ملک کے شہریوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا حق دینے کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔

آخر میں اسلامک کونسل کے شائع کردہ دو رسالوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ پہلا ''انسانی حقوق کا منشور'' ہے اور دوسرا ''مثالی اسلامی آئین'' ہے۔ ان دونوں رسالوں میں قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کے احکام کی روشنی میں وضع کردہ انسانی حقوق میں عموماً وہ انسانی حقوق شامل ہیں جو اقوام متحدہ نے منظور کیے۔ تاہم کئی حقوق زیادہ ہیں مثلاً انصاف کا حق' طاقت کے غلط استعمال کے خلاف تحفظ کا حق' پناہ کا حق۔ اقلیتوں کے یہ حقوق کہ ان کے شخصی معاملات ان کے اپنے شخصی قوانین کے مطابق طے کیے جائیں گے' عوامی امور کے نظم و انتظام میں شرکت کے حقوق و فرائض' کارکنوں کے مرتبے' وقار اور سماجی تحفظ کے حقوق وغیرہ۔

رسالہ ''انسانی حقوق کا عالمی اسلامی منشور'' کے پیراگراف 12 اور 13 عقیدے' سوچ اور تقریر کی آزادی کے حق اور

مذہب کی آزادی کے حق سے تعلق رکھتے ہیں۔انہیں یہاں درج کیا جاتا ہے۔

11۔ (الف) ہر شخص کو اس وقت تک اپنے خیالات اور عقائد کے اظہار کا حق حاصل ہے جب تک وہ قانون میں بیان کردہ حدود میں رہا ہے۔تاہم کوئی بھی شخص اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ جھوٹ کی اشاعت کرے یا ایسی اطلاعات پھیلائے جو عوامی مذاق کو مشتعل کریں یا تہمت تراشی کرے یا دوسرے لوگوں پر طعن و تشنیع کرے یا ان پر ہتک آمیز الزامات لگائے۔

(ب) علم کی جستجو اور حق کی تلاش ہر مسلمان کا نہ صرف حق ہے بلکہ فرض ہے۔

(ج) یہ ہر مسلمان کا حق اور فرض ہے کہ وہ ظلم کے خلاف (قانون کی طے کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے) احتجاج اور جدوجہد کرے، خواہ اس میں ریاست کے حاکم اعلیٰ کو چیلنج کرنا شامل ہو۔

(د) اطلاعات کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہوگی بشرطیکہ اس سے معاشرے یا ریاست کی سلامتی کو خطرہ لاحق نہ ہو اور یہ قانون کی طرف سے عائد کردہ حدود کے اندر محدود ہو۔

(ھ) کوئی شخص دوسروں کے مذہبی عقائد کی توہین یا تضحیک نہیں کرے گا یا ان کے خلاف عوام میں عداوت نہیں پھیلائے گا۔دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام ہر مسلمان کا فرض ہے۔

13۔ ہر شخص کو ضمیر اور اپنے مذہبی عقائد کے مطابق عبادت کی آزادی کا حق حاصل ہے۔اسی طرح رسالہ ''مثالی اسلامی آئین'' کی دفعات 8 اور 16 اقلیتوں کے مذہبی حقوق سے متعلق ہیں۔وہ درج ذیل ہیں:

''8۔ ہر شخص کو اپنے خیالات، آراء اور عقائد کا حق حاصل ہے اور اسے ان کے اظہار کا حق اس وقت تک حاصل ہے جب تک وہ قانون کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتا ہے۔''

14۔ (الف) مذہب میں کوئی جبر نہیں ہے۔

(ب) غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق ہے۔

(ج) شخصی قوانین کے معاملات میں اقلیتوں پر ان کے اپنے قوانین اور روایات نافذ ہوں گی، الا یہ کہ وہ خود یہ پسند کریں کہ ان پر شریعت نافذ ہو۔فریقوں کے درمیان تنازعہ میں شریعت نافذ ہوگی۔''

قابل توجہ امر یہ ہے کہ کسی کے مذہب کی تبلیغ کے حق کو اقلیتوں کے انسانی حقوق میں شامل نہیں کیا گیا۔یہ اس بیان کے عین مطابق ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔

آئین کی دفعہ 20 پاکستان کے تمام شہریوں کو اپنے مذہب کو ماننے، عمل کرنے اور اشاعت کرنے کا حق دیتی ہے لیکن یہ حق قانون، امن عامہ اور اخلاق کے تابع ہے۔ اس کا بیان یوں ہوا ہے:

''قانون، امن عامہ اور اخلاق کے مطابق

(الف) ہر شہری کو اپنا مذہب ماننے، اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کا حق حاصل ہوگا۔

(ب) ہر مذہبی جماعت اور اس کے ہر فرقے کو اپنے مذہب کے ادارے قائم کرنے، دیکھ بھال کرنے اور چلانے کا حق ہوگا۔''

جیند رکشور کے مقدمے پی ایل ڈی 1957ء ایس سی صفحہ 9 میں سپریم کورٹ کو 1956ء کے آئین کی دفعہ 18 کی اسی نوع کی عبارت کی تشریح کرنے کا موقع ملا تھا۔ یہ قرار دیا گیا تھا کہ قانون کے مطابق' کے الفاظ مقننہ کو یہ اجازت نہیں دیتے کہ جو آئین نے ایک ہاتھ سے دیا ہے، وہ اسے دوسرے ہاتھ سے واپس لے لے اور اس حق کو صرف نظام کے تحت لایا جا سکتا ہے لیکن چھینا نہیں جا سکتا۔ جناب جسٹس محمد منیر چیف جسٹس (ریٹائرڈ) نے اس بارے میں یہ رائے دی:

''جب امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو تو قانون کے ذریعے سے منضبط کرنے کی گنجائش کو اس قدر تنگ نہیں کیا جا سکتا۔''

دفعہ 20 بھی قانون اور امن عامہ کے تابع ہے اور تبلیغ کا حق اسی کے تابع ہے۔

مرزا قادیانی کے دعووں اور ان کے ارتقائی رجحان کے تاریخی تجزیے میں یہ امر پہلے واضح ہو چکا ہے کہ مرزا قادیانی کے مجدد اور مامور من اللہ ہونے کے دعوے کے فوراً بعد ہی برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے اور انہوں نے بالکل درست اپنے خدشات کا اظہار کر دیا تھا کہ یہ نبوت کی طرف پہلا قدم ہے۔ مرزا صاحب نے اس کی تردید کرنے میں ہوشیاری دکھائی اور دعویٰ کیا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور ان کی رائے میں کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کفر سے کم نہیں ہے۔

اور جب 1890ء میں مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا گیا' تو مسلمانوں کی بے چینی، غم وغصے اور عداوت میں اضافہ ہوا۔ یہ مرزا صاحب کی کتابوں اور دوسرے قادیانی لٹریچر سے واضح ہوتا ہے کہ جب وہ مختلف شہروں میں جاتے تو مسلمان ان کی قیام گاہ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ علماء بھی سخت مشتعل تھے۔ 1901ء میں مرزا صاحب کے صاف دعویٰ نبوت کی وجہ سے یہ اشتعال اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

قیام پاکستان کے بعد اس مسئلے پر ایسا احتجاج ہوا کہ اس کو دبانے کے لیے 1953ء کا مارشل لاء نافذ کرنا پڑا۔ تاہم یہ مسلمانوں کے اس مطالبے کو خاموش کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا' جسے علماء نے اپنے 22 نکاتی پروگرام میں آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اور اقلیتی حیثیت دینے کے لیے پیش کیا تھا۔

مارشل لاء کے نفاذ کے علی الرغم احتجاج جاری رہا۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ اور قومی اسمبلی میں مسلمان عوام کے نمائندوں کو' قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد تک قادیانیوں کی مکمل سماعت کرنے کے بعد (دوسرا ترمیمی) آئینی ایکٹ مجریہ 1974ء منظور کرنا پڑا' اور 1973ء کے آئین کی دفعہ 260 میں ایک تعریف کا اضافہ کرنا پڑا' جس کی رو سے دونوں معروف گروہوں کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا اور دفعہ 106 میں ایک ترمیم کے ذریعے انہیں پاکستان کی دوسری اقلیتوں مثلاً عیسائیوں' پارسیوں اور ہندوؤں وغیرہ کے مساوی مقام دے دیا گیا۔

اس اعلان کے نتیجے میں' جو مسلمانوں کے متفقہ مطالبے پر منظور ہوا تھا' قادیانیوں کے لیے روا نہ تھا کہ وہ خود کو مسلمان کہتے یا اپنے تصور کے اسلام کی' حقیقی اسلام کے طور پر' اشاعت کرتے۔ لیکن انہوں نے آئینی ترمیم کا بالکل احترام نہیں کیا اور اپنے عقیدے کو پہلے کی طرح اسلام قرار دیتے رہے۔ وہ اپنی کتابوں اور رسالوں وغیرہ کی اشاعت کے ذریعے نیز انفرادی طور پر مسلمانوں کے اندر اپنے مذہب کی آزادانہ تبلیغ کرتے ہوئے غیظ وغضب کا باعث بنتے رہے۔ اس سے لازماً اور واضح طور پر امن وامان کی صورت حال پیدا ہوجاتی۔ یہ سلسلہ موجودہ آرڈیننس کے پاس اور نافذ ہونے تک جاری رہا۔ ان حالات میں یہ آرڈیننس' دفعہ 20 کے قانون اور امن وامان کے تحفظ کے تابع ہونے کے استثناء میں شامل دکھائی دیتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر ان دونوں پٹیشنز میں کوئی وزن نہیں ہے اور انہیں خارج کیا جاتا ہے۔

اس فیصلے کو ختم کرنے سے پہلے ہم مسٹر مجیب الرحمٰن پٹیشنر اور مسٹر ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ برائے وفاقی حکومت کی جانب سے دی گئی معاونت کے لیے اپنی گہری قدردانی کو ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں۔ مسٹر گیلانی کی مقدمے کی تیاری اور پیشکش قابل تعریف تھی۔

چیف جسٹس

جج نمبر 2 | جج نمبر 3 | جج نمبر 4

اسلام آباد۔ 29 اکتوبر 1984ء

(PLD 1985 FSC 8)